شہری

شہری برائے بہتر ماحول

جولائی تا دسمبر ۲۰۲۳ء

شہری

CITIZENS FOR A BETTER ENVIRONMENT

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے......

مارگریٹ میڈ

’’ایک سب کے لیے اور سب کے لیے ایک‘‘ یہ کوآپریٹو مومنٹ کی روح ہے!

ہم لفظ ’’تعاون/معاونت‘‘ کو ان تمام معاملات میں پڑھتے ہیں جہاں ایک سے زیادہ افراد شامل ہوں اور جہاں ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو فائدہ یا نقصان ہوتا ہو۔انیسویں صدی کے شروع میں صنعتی قرارداد کو مدنظر رکھتے ہوئے کوآپریٹو کی تشکیل ضرورت کے تحت کی گئی تھی، تاکہ بلیو کالر ورکرز کے حقوق، زندگی اور معاشیات کو صنعتی انقلاب کے توسط سے ان پر مسلط کردہ تلخ حقائق سے ان کو محفوظ رکھا جاسکے۔کوآپریٹو مزدوروں کے حقوق کے تحفظ، مربوط کمیونٹیز کو تشکیل دینے اور محنت کش طبقے کی جدوجہد کو مضبوط کرنے کیلئے وجود میں آیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے کوآپریٹو بنائے گئے، جبکہ کئی ناکام اور تحلیل ہوگئے۔ تاہم، ۱۸۴۴ء میں یوکے کے ایک چھوٹے سے قصبے سے تعلق رکھنے والے ۲۸ کاٹن ورکرز کا ایک گروپ، جو کہ کام کرنے کے ناقص حالات اور غیر منصفانہ اجرت کا سامنا کر رہے تھے، وہ اکٹھے ہوئے اور روچڈیل ایکوئٹ ایبل پایونیئر سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جو کہ جدید کوآپریٹو کاروبار کے حوالے سے پہلی بار متعارف کرایا گیا تھا۔ان کی برادری کے اصولوں کو روچڈیل کے آٹھ اصولوں کے طور پر سمجھا جاتا تھا جو جمہوریت، پیشہ ورانہ اخلاقیات اور شمولیت کے اصولوں پر بنائے گئے تھے۔ مذکورہ اصول کوآپریٹو مومنٹ کی بنیاد بن چکے ہیں۔ وہ وقت کے ساتھ بہتر انداز میں متعارف ہوگئے ہیں۔انہیں کسی بھی اور ہر کوآپریٹو سوسائٹی کی وضاحتی خصوصیات اور ضابطے کے طور پر بڑے پیمانے پر قبول کیا جاتا ہے، جس کی تعمیل روچڈیل سوسائٹی کے بانیوں میں سے ایک چارلس ہاورتھ نے کی تھی۔متعدد نئے اور مختلف روچڈیل بانی کی جانب سے کوآپریٹو کا آٹھواں اصول جو کہ اب تسلیم شدہ اور موجود ہے، وہ تنوع، مساوات اور شمولیت ہیں۔کوآپریٹو کا خیال ہے کہ ہم اس وقت مضبوط ہوتے ہیں، جب گورننس،

ان کے اصل اصول یہ تھے:

۱۔ممبر سازی۔

۲۔جمہوری ضابطے (ایک ووٹ، ایک فرد)

۳۔تجارت کے تناسب سے زائد کی تقسیم۔

۴۔سرمائے پر محدود سود کی ادائیگی۔

۵۔ سیاسی اور مذہبی غیر جانبداری۔۔

اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ 8 اصول تیار ہوئے اور ان کو قبول کیا گیا۔

سات (07) کوآپریٹو اصول:

۱۔ رضاکارانہ اور عام رکنیت

۲۔ ضابطہ برائے ڈیموکریٹک ممبر

۳۔اراکین کی اقتصادی شرکت

۴۔خودمختیاری اور آزادی

۵۔تعلیم، تربیت اور معلومات

۶۔کوآپریٹو کے مابین تعاون

۷۔کمیونٹی کیلئے تشویش

کوآپریٹو کا آٹھواں اصول جو کہ اب تسلیم شدہ اور موجود ہے، وہ تنوع، مساوات اور شمولیت ہیں۔کوآپریٹو کا خیال ہے کہ ہم اس وقت مضبوط ہوتے ہیں، جب گورننس، انتظام اور نمائندگی میں سب کو شامل کرنے کے لئے فعال کوشش کی جاتی ہے۔

اندرونی صفحات

پاکستان میں سبز عمارتیں 06

جڑوں کی لچک 08

ایک مہم جوئی، گلگت کا دورہ 09

ایک شہری کی آزمائش.................... 13

کراچی کے ٹیکس الیمہ 16

اشیاءخوردونوش 18

پاکستان میں مادری زبان................... 21

پاکستان کی نوجوان 23

شہری

R-88، بلاک 2، پی ای سی ایچ ایس،
کراچی 75400، پاکستان
ٹیلی فون/فیکس: +92-21-34 53 06 46
E-mail: info@shehri.org
shericitizens@gmail.com
Url: www.shehri.org

اِدارتی مشاورت: شہری-سی بی ای ٹیم

اِنتظامی کمیٹی:
چیئر پرسن: سلیقہ انور
وائس چیئر پرسن: سمیر حامد ڈودھی
جنرل سیکریٹری: امبر علی بھائی
خزانچی: عامرہ جاوید
ارکان: انجینئر پرویز صادق، زوہیب زوبی اور حوا افضل

شہری اسٹاف:
کوآرڈی نیٹر: سرور خالد
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر: محمد ریحان اشرف
اکاؤنٹ کنسلٹنٹ: عرفان شاہ
آفس اسٹاف: خورشید احمد

بانی اراکین:
مسٹر خالد ندوی، بیرسٹر قاضی فائز عیسیٰ، حمیرا رحمٰن، دانش آذر زوبی، نوید حسین، بیرسٹر زین شیخ اور قیصر بنگالی

قلمکاروں کے لیے ہدایات:
آپ بھی 'شہری' کے لیے لکھ سکتے ہیں۔ اس ضمن میں معلومات کے لیے 'شہری' کے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔ ایڈیٹر/ ادارتی عملے کا اس خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

PRODUCTION:
Saudagar Enterprises
Web: www.saudagar.com.pk
Cell: 0333-2276331

مالی تعاون: فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

انتظام اور نمائندگی میں سب کو شامل کرنے کے لئے فعال کوشش کی جاتی ہے۔ کوآپریٹیو سوسائٹیاں بننا شروع ہوئیں۔ کچھ ممتاز کوآپریٹیو، جن کے کام نے ہمارے معاشروں کو تشکیل دینے میں مدد کی ہے۔ پرورش والے - قائم کردہ کے سرپرستوں کے حکم کی وجہ سے کوآپریٹیو سوسائٹی اور پسماندہ گروہوں کے مابین ایک انتہائی ضروری رابطہ قائم کیا ''نمائندگی کوآپریٹیو موومنٹ کا ایک بنیادی پہلو بن گیا''۔

خواتین کے حق رائے دہی کو ۱۸۸۳ء میں ایلس آکلینڈ نے ایک کوآپریٹیو سوسائٹی ''دی ویمنز کوآپریٹیو گلڈ'' کے پلیٹ فارم سے بھی پروان چڑھایا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا گیا، بہت سے زرعی کوآپریٹیو قائم کیے گئے، ان میں سے پہلی ڈیری اور پنیر کوآپریٹیو کی ترقی تھی، جو بعد میں ایک بہت وسعت پذیر میں تبدیل ہوئی۔ کوآپریٹیو نے کنزیومر کوآپریٹیو قائم کرنے میں مدد کی، انہوں نے شہری حقوق کی تحریک اور آرگینک فوڈ انڈسٹری کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ڈیری کوآپریٹیو زرعی کوآپریٹیو میں پہلی قسم کے تھے اور کسانوں نے تمام ممالک میں ڈیری مصنوعات کو کامیابی سے فروخت کرنے کیلئے مذکورہ کوآپریٹیو سسٹم پر انحصار کیا ہے۔

رابرٹ اوون دی سوشل ریفارمر (پیدائش۔ ۱۷۷۱ء وفات ۱۸۵۸ء) کو کوآپریٹیو تحریک کے روحانی والد کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

ہم نے اس کا تذکرہ آزادی سے قبل ہندوستان میں کوآپریٹیو موومنٹ کے باضابطہ طور پر آئے / متعارف ہوئے تھے، جسے پاکستان میں ۱۹۴۷ء کے بعد اور مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

☆ ۱۹۰۴ء۔۱۹۱۱ء تک، ابتدائی مرحلہ جب ۱۹۰۴ء میں پہلا کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ اپنایا گیا۔ اس میں انفرادی طور پر ہندوستان، بنگلہ دیش اور برما شامل تھے۔

☆ ترمیم کا مرحلہ (۱۹۱۲ء۔۱۹۱۸ء) جو آل انڈیا کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ ۱۹۱۲ء میں پاس کردہ تھا۔

☆ توسیعی مرحلہ (۱۹۱۹ء۔۱۹۲۹ء) جب کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ ۱۹۲۵ء نافذ کیا گیا تھا۔

آزادی سے پہلے والے ہندوستان میں کوآپریٹیو موومنٹ کو انگریزوں نے بنیادی طور پر دیہی قرضوں کو بہتر بنانے اور ان تک رسائی کے لیے چھوٹے پیمانے پر کسانوں کی مدد کے لیے متعارف کرایا تھا۔ یہ ہندوستان کے ان حصوں میں قائم کیا گیا تھا جو بمبئی پریزیڈنسی کا حصہ تھا جو موجودہ دور کی ریاست گجرات، ریاست مہاراشٹر کا مغربی دو تہائی حصہ بشمول کونکن، دیش، کندیش اور شمالی مغربی کرناٹک ریاست پر مشتمل ہے۔ اس وقت انڈیا میں پاکستان کا صوبہ سندھ اور یمن میں برطانوی علاقہ عدن بھی شامل تھا۔ یہ جزوی طور پر ان اضلاع پر مشتمل تھا جو براہ راست برطانوی راج کے تحت تھے، اور جزوی طور پر مقامی یا شاہی ریاستوں پر مشتمل تھا، جن پر گورنر کے زیر انتظام مقامی حکمرانی قائم تھی۔

پہلا کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ ۱۹۰۴ء میں بنایا گیا، جس میں صرف کریڈٹ کوآپریٹیو شامل تھے۔ ایکٹ میں جلد ہی ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۹ء کے برسوں میں غیر کریڈٹ کوآپریٹیو کی ریاستی سطح پر رجسٹریشن دینے کے لیے ترمیم کی گئی، جس میں ہاؤسنگ اور اس کی انتظامیہ شامل تھی، جس سے انہیں مقامی ضروریات کو ترجیح دینے کیلئے قانون سازی سے متعلق اجازت دی گئی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے ساتھ باہمی تعاون سے کوآپریٹیو ہاؤسنگ تحریک نے ترقی کا مرحلہ شروع کیا۔ بنگلور بلڈنگ کوآپریٹیو سوسائٹی، ہندوستان کا پہلا ہاؤسنگ کوآپریٹیو، ریاست کرناٹک (سابق ریاست میسور) میں

۱۹۰۹ء میں قائم کیئے گئے تھے۔۱۹۱۳ء میں ریاست مہاراشٹر (سابق ریاست بمبئی) نے ایک غیر سرکاری ادارہ بمبئی میں قائم کیا۔

کوآپریٹو ہاؤسنگ ایسوسی ایشن، جس نے کوآپریٹو ہاؤسنگ کے فروغ کا آغاز کیا۔ بہت سے سنگ میلوں کے مابین ایسوسی ایشن نے متعدد ہاؤسنگ کوآپریٹو کی تنظیم میں استعمال ہونے والے ماڈل ضمنی قوانین کی وضاحت کی۔ یہ ہاؤسنگ کوآپریٹو کے معاملات میں ریاست کی مالی شراکت حاصل کرنے والا پہلا ادارہ تھا۔

کوآپریٹو کی اقسام:

۱۔پروڈیوسر/مارکیٹنگ کوآپریٹو: پروڈیوسر کوآپریٹو سوسائٹیز لوگوں کی ایک مصنوعی رضا کارانہ انجمن ہے جو مناسب شرح کے ساتھ پیداوار کیلئے درکار تمام مواد، آلات اور اشیاء دستیاب کر کے چھوٹے پروڈیوسروں کے مفادات کے تحفظ کیلئے باہمی کوششوں سے کام کرتی ہے۔ زرعی کوآپریٹو کاروبار میں فارم کے آلے، بیج اوشین سپرے، دی بلو بیری پیپل، آرگینک ویلی، کیوآرٹسٹ کوآپریٹو اور آلات خریدنے کے لیے۔

۲۔کنزیومر کوآپریٹو: بنیادی مقصد روزمرہ استعمال کی اشیائے صرف کم نرخ کے تناسب پر فراہم کرنا ہے جیسے کریڈٹ یونینز، یوٹیلیٹی کارپوریشنز، الیکٹرک کارپوریشنز و دیگر شامل ہیں۔

۳۔ورکر کوآپریٹو: ورکر کوآپریٹو ایک کوآپریٹو ہے جس کی ملکیت اور خود اس کے کارکنان کے زیر انتظام ہے۔ اس کنٹرول کا مقصد ایک ایسی فرم ہوسکتی ہے جہاں ہر ورکر، مالک جمہوری انداز میں فیصلہ سازی میں حصہ لے سکتا ہے، یا اس کا مذکورہ حوالہ دے سکتا ہے، جس میں انتظامیہ کا انتخاب ہر ورکر، مالک کے ذریعے کیا جاتا ہے، جس میں ہر ایک کا ایک ووٹ ہوتا ہے، جیسے: بیکریاں، ریٹیل اسٹورز، سافٹ ویئر ڈویلپمنٹ گروپس اور زراعت شامل ہیں۔

۴۔ہاؤسنگ کوآپریٹو: خاص طور پر کم اور متوسط آمدنی والے گروپوں کو بہتر اور سستے مکانات فراہم کرنے کا ارادہ ہے جو بصورت دیگر انفرادی کوششوں کے ذریعے رہائشی مکانات رکھنے کے متحمل نہیں ہیں۔

کوآپریٹو ایک اپارٹمنٹ کمپلیکس ہوسکتا ہے، ایک خاندان کے گھروں کا پڑوس، موبائل ہوم پارکس یا طلباء کی رہائش۔ محل وقوع سے قطع نظر، کوآپریٹو ہاؤسنگ کے رہائشی سستی، مالی استحکام اور اجتماعی ملکیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اس طرح کہ سب سے بڑی کوآپریٹو ہاؤسنگ اسکیم کا ہونا۔ برونکس، نیویارک میں ۵۵،۰۰۰ لوگوں کے ''کوآپریٹو سٹی'' کے ساتھ دنیا میں ترقی۔

ہاؤسنگ کوآپریٹو کی اقسام:

الف) ٹینٹ اونرشپ ہاؤسنگ سوسائٹیز: زمین یا تو لیز ہولڈ پر رکھی گئی ہے یا سوسائٹیز کے ذریعے فری ہولڈ پر رکھی جاتی ہے۔ اراکین مکانات کے مالک ہوتے ہیں، اور زمین کے پٹہ دار ہیں۔ انہیں گھروں کی ذیلی تقسیم اور منتقلی کے حوالے سے ضابطوں کی سختی سے تعمیل کرنی چاہیے لیکن وہ اپنی ضروریات اور ذوق کے مطابق اپنے گھر بنا سکتے ہیں، جیسے پاکستان ایمپلائز کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی (PECHS)، سندھی مسلم کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی (SMCHS) وغیرہ۔

ب) کرایہ دار شریک پارٹنرشپ ہاؤسنگ سوسائٹیز: سوسائٹی کی زمین اور عمارت دونوں پر قبضہ رکھتی ہیں، یا تو لیز ہولڈ یا فری ہولڈ کی بنیاد پر، اور ممبران کو ابتدائی حصہ اور ماہانہ کرایہ ادا کرنے پر قبضے کا حق دیا جاتا۔

ہاؤسنگ کوآپریٹو کے لیے سوسائٹیز سپورٹ سسٹم کی اقسام:

ج) ہاؤسنگ مارگیج سوسائٹیز: یہ کریڈٹ سوسائٹیز کی طرح ہیں جو گھروں کی تعمیر کے لیے اپنے ممبران کو قرض فراہم کرتے ہیں۔ حالانکہ تعمیر کا انتظام ممبر کی ذمہ داری ہے۔

د) ہاؤس کنسٹرکشن سوسائٹیز یا ہاؤس بلڈنگ سوسائٹیز: وہ ممبران کی جانب سے گھر بناتے ہیں، جو مکمل ہونے پر ان کے حوالے کر دیے جاتے ہیں اور رقم قرضوں کے ذریعے خرچ کی جاتی ہے۔

۵) مالیاتی کوآپریٹو: مالیاتی ادارے کی ایک قسم ہے جو اس کے اراکین کی ملکیت ہوتی ہے اور کام کرتی ہے۔ مالیاتی کوآپریٹو کا مقصد روایتی بینکنگ خدمات پیش کرنے کیلئے ایک متحد گروپ کی جانب سے کام کرنا ہے۔

۶) نئی نسل کے کوآپریٹو: زراعت، جنگلات، ماہی گیری اور دیگر صنعتوں میں ابھرتے ہوئے رجحان کی نمائندگی کرتے ہیں جو پروڈیوسرز فراہم کرتے ہیں۔ یہ کوآپریٹو کی الگ الگ قسمیں ہیں جو ممبران کو خام اجناس پر کام کرنے کے قابل بنانے کیلئے بنائی گئی ہیں۔

۷۔ملٹی کوآپریٹو: ملٹی اسٹیک ہولڈر کوآپریٹو ایسے کوآپریٹو ہیں جو ایک سے زیادہ قسم کی ممبرشپ کلاس جیسے صارفین، پروڈیوسرز، ورکرز، رضا کاروں یا کمیونٹی سپورٹرز کے زیر کنٹرول ہوتے ہیں۔ اروسکی، اسپین میں مشہور مونڈراگون کوآپریٹو کی تقسیم کار شاید دنیا کا سب سے بڑا ملٹی اسٹیک ہولڈر کوآپریٹو ہے، جس میں نصف ملین ممبران ہیں اور ایک بورڈ کارکنوں اور صارفین کے مابین یکساں طور پر تقسیم شدہ ہے۔

۸۔غیر منافع بخش کمیونٹی سروس کوآپریٹو: غیر منافع بخش کمیونٹی سروس کوآپریٹو کمیونٹی کو غیر منافع بخش بنیادوں پر خدمات فراہم کرتی ہے، مثال کے طور پر بچوں کی نگہداشت کا مرکز جو والدین کے زیر ملکیت اور ان مراکز کا استعمال کرتے ہوئے چلایا جاتا ہے۔ سندھ کے شہروں کراچی و دیگر میں کوآپریٹو ہاؤسنگ تحریک کو سمجھنے کیلئے کوآپریٹو کی تاریخ کا تعارف ضروری ہے۔

چونکہ سندھ بمبئی پریزیڈنسی کا حصہ رہا ہے، اس لیے ۱۹۴۷ء سے پہلے کراچی میں بہت سی کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کی گئیں۔

چونکہ ہماری توجہ کراچی میں قائم ہاؤسنگ کوآپریٹیو سوسائٹیز پر ہے،اس لیے ہم ان پر بات کریں گے۔ دسمبر ۱۹۵۰ء میں گزٹ آف پاکستان کے ابتدائی ریکارڈ کے مطابق آفس آف رجسٹرار، کوآپریٹیو سوسائٹیز، کراچی، ۲۷ نومبر ۱۹۵۰ء، چند ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے نام ہیں جو آج تک موجود ہیں، وہ سب بمبئی کوآپریٹیو کے تحت سوسائٹی ایکٹ ۱۹۲۵ء کے تحت رجسٹرڈ تھیں:

رجسٹریشن نمبر	رجسٹریشن کی تاریخ	سوسائٹی کا نام	پتہ
	۱۱/۰۲/۱۹۴۴	سندھ مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	متصل لی مارکیٹ، امپیکمنٹ روڈ، کراچی۔
ایس۔۴۷۸	۰۵/۰۲/۱۹۴۷	خداآبادی عامل ٹاؤن کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	کیئرآف مسٹر مول چند کرپالانی، حیدرآبادی عامل پنچایت ہال، برنس روڈ، کراچی۔
ایس۔۴۸۱	۰۳/۰۳/۱۹۴۷	کچھی میمن کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	فیروزشاہ اسٹریٹ، میمن محلّہ، رام باغ، کراچی۔
ایس۔۴۸۴	۰۶/۰۳/۱۹۴۷	بمبئی مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	کیئرآف اے۔جی مرزا اصغر، ہارون چیمبرز، ساؤتھ نیپئر روڈ، کراچی۔
ایس۔۴۹۷	۲۲/۰۹/۱۹۴۷	دہلی مرسنٹائل مسلمز کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	کیئرآف مسٹر او۔ایم۔مارٹن اسسٹنٹ نیشنل سیونگس آفیسر، بلاک نمبر۔48، پاک سیکریٹریٹ، کراچی۔
ایس۔۵۰۰	۲۳/۱۲/۱۹۴۷	پاکستان ایمپلائیز کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	آڈیٹر جنرل آفیس، 243 اسٹاف لائنز، کراچی
ایس۔۵۰۱	۲۲/۰۱/۱۴۷۸	یو۔پی مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	3/735، ایلفنسٹون اسٹریٹ، کراچی۔
ایس۔۵۰۳	۲۲/۰۳/۱۴۹۸	اسمٰعیلیہ گارڈن کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	کیئرآف کے۔جے۔نوٹا۔دی پولیٹیکل سروس اینڈ جی۔اے۔ محکمہ، سندھ سیکریٹریٹ 7، نیپئر بیریکس، کراچی۔
ایس۔۵۰۶	۳۰/۰۳/۱۹۴۸	پیرالٰہی بخش کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	7۔لال چند ہنسومل روڈ، پارسی کالونی، بندر روڈ، ایکسٹینشن، کراچی۔
ایس۔۵۱۵	۱۲/۰۵/۱۹۴۸	کراچی میمن کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	217، پرنسز اسٹریٹ کراچی۔
ایس۔۵۱۷	۰۳/۰۶/۱۹۴۸	بہار مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	19، کہرٹ چیمبرز، بالمقابل سٹی کورٹ، وادھومائی ادھارام روڈ، کراچی۔
ایس۔۵۲۵	۱۶/۰۹/۱۹۴۸	دہلی کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ	69، فوربیس، فوربیس اینڈ کیمبل بلڈنگ، دونولی روڈ، کراچی۔

سندھ ہائی کورٹ M.A.69/2022 میرٹھ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ (اپیلنٹ) بمقابلہ کیس کے معاملے میں ۲۰۲۳ء کی طرف تیزی سے آگے بڑھیں۔شاہد اختر قریشی اور دیگر جواب دہندہ، (محترم) جسٹس صلاح الدین پنہور نے مندرجہ ذیل آبزرویشنز دی، ان کی ایمیکس عبادالحسنین، مزمل حسین جلبانی، آکاش گھانی، محمد حنیف سمہ، محترمہ سارہ ملکانی اور محترمہ سائرہ شیخ ایڈووکیٹ میسرز نے بھرپور مدد کی۔

......’’قانون سازی کی پوری تاریخ بتاتی ہے کہ کوآپریٹیو سوسائٹیز کا مطلب زرعی معاشروں کی مدد کرنا اور غریب لوگوں اور پسماندہ طبقات کی بہتری ہے اور یہ دولت مند اور بااثر افراد کے لیے ہاؤسنگ سوسائٹیز کے لیے نہیں تھا، بنچ نے مشاہدہ کیا کہ ہاؤسنگ سوسائٹیز کا پہلو جیسا کہ محکمہ سندھ حکومت نے سمجھا ہے، جسٹس پنہور نے اپنے فیصلے میں قرار دیا۔

ایک چھوٹا سا جزو جو اقتصادی سرگرمیوں اور کم آمدنی والے کمیونٹیز کی خدمت کیلئے رجسٹرڈ ہونے کا اہل ہے۔

اس نے سندھ کے چیف سیکریٹری کو ہدایت کی کہ وہ ممتاز ماہرین اقتصادیات، ماہرین زراعت، مخیّر حضرات، بینکرز اور ترقیاتی شعبے کے نمائندوں پر مشتمل ایک اعلی سطحی کمیٹی تشکیل دیں تاکہ سندھ کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ ۲۰۲۰ء پر مکمل عملدرآمد کو یقینی بنایا جاسکے۔

ایس ایچ سی نے صوبائی حکام سے یہ بھی کہا کہ وہ سندھ کوآپریٹیو سوسائیٹیز ایکٹ **۲۰۲۰**ء کے تحت بنائے گئے قواعد میں ترمیم کریں تاکہ کاشتکاروں کے درمیان کفایت شعاری، اپنی مدد آپ، باہمی امداد کے فروغ کے لیے قانون کے بنیادی مقاصد، اسکیم اور مقاصد کو پورا کیا جا سکے۔ چھوٹے کسانوں، مزدوروں اور عام معاشی ضروریات کے حامل غریب لوگوں کو بہتر زندگی گزارنے، کاروبار اور پیداوار کے طریقوں کو ترجیحی طور پر پنجاب نے پہلے مرحلے میں مثال کے طور پر لیا جائے۔

سندھ ہائی کورٹ نے آرڈر میں مزید کہا گیا کہ ''سیکریٹری قانون محکمہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کوآپریٹیو سوسائیٹیز ایکٹ **۲۰۲۰**ء کی روح کے اندر قواعد وضع کیے جائیں جیسا کہ اوپر بحث کی گئی ہے''۔

بدقسمتی سے، سندھ کوآپریٹیو سوسائیٹیز ایکٹ **۲۰۲۰**ء کا قریب سے جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں خامی ہے، یہ کوآپریٹیو موومنٹ کی روح کے خلاف ہے۔ اس نے کوآپریٹیو تحریک کی ابتداء اور اس کی اخلاقیات کو پوری طرح سے غلط سمجھا ہے۔ یہ صحیح معنوں میں کوآپریٹیو کی نمائندگی نہیں کرتا جو لوگوں پر مبنی ادارے ہیں۔ کوآپریٹیو کے ریگولیٹری حکام کوآپریٹیو کے معاملات میں بات نہ کرنے، تعلیم دینے اور ان کی مناسب تربیت سے کرنے کے قصوروار ہیں۔

سندھ میں کراچی شہر میں کوآپریٹیو ہاؤسنگ سیکشن ہمارے سامنے ہے، یہ ناقص، کمزور اور کرپٹ ہے۔ بہت سے لوگوں کو ان میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے جھنجھوڑ دیا گیا ہے۔

دریافت کریں کہ انہوں نے گندگی میں سرمایہ کاری کی ہے۔ پرانی کوآپریٹیو سوسائٹیاں غیر شفافیت، بدعنوانی، نئے مالکان کو حصص نہ دینے کی مجرم ہیں جیسے پی ای سی ایچ ایس۔ شکایات کے باوجود کوئی ریلیف نہیں ملا۔ جب زمین کے استعمال کی پالیسی **۲۰۰۳**ء میں تبدیلی لائی گئی تو کوئی کوآپریٹیو سوسائٹی اس ناقص پالیسی کے خلاف نہیں کھڑی ہوئی، جس کے نتیجے میں کئی قانونی چارہ جوئی اور اس کے دیگر اراکین کے لیے ماحولیاتی خرابی پیدا ہوئی۔ P E C H S کے اندر چھ (۰۶) سڑکیں ہیں، SMCHS کے پاس تین (۰۳) تین ہیں۔ ہم ان پرانے معاشروں کا ذکر اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا بگاڑ نظر آتا ہے۔ جمشید ٹاؤن کی اولڈ کیتھولک کالونی ایک اور دو، ایک فلیٹ سائٹ بن چکی ہے، ہر پلاٹ سوسائٹی کے اپنے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنایا گیا ہے، اکثر کوآپریٹیو سوسائیٹیز کے عہدیداران اپنے ہی قوانین پر عمل نہیں کر رہے ہے۔

کوئٹہ ٹاؤن کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی، اسکیم **۳۳**۔، گڈاپ ٹاؤن ممبران کے پلاٹ پر قبضے، تجاوزات کی اجازت دینے اور ممبران کو جھوٹی قانونی چارہ جوئی اور تناؤ میں دھکیلنے کی ملی بھگت کی ایک تازہ مثال ہے۔

مزارِ قائد کے سامنے کاسموپولیٹن کوآپریٹو ہاسنگ سوسائٹی نے بابائے قوم کے مزار کی اونچائی سے متعلق پابندی والی قانونی شق ۲.۱۰.۱۔۲۵ کی خلاف ورزی کر کے ارتکاب جرم کیا ہے۔ کراچی بلڈنگ اینڈ ٹاؤن پلاننگ ریگولیشنز **۲۰۰۲**ء کے مطابق ''مزارِ قائد اعظم والے علاقے میں عمارت کی چوڑائی ۴/۳ میل ایک اعشاریہ دو کلومیٹر (کے دائرے میں ایم ایس ایل (۲۷.۷۲)۔۹۱) فٹ کے پوڈیم لیول سے زیادہ نہیں ہوگی''۔

ایس ایم سی ایچ ایس نے حال ہی میں اپنے ضمنی قوانین کو تبدیل کیا ہے، ان ہی ضمنی قوانین کو تبدیل کرنے والے اراکین کی تعداد ۴۱۸ ہے، لیکن اس کے مجوزہ ضوابط میں ایک نیا سیکشن **۳۳** شامل کیا گیا ہے تاکہ **۲۰** اراکین کو سالانہ جنرل میٹنگ یا ایکسٹرا آرڈینری میٹنگ میں کسی بھی معاملے کا فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ (بہت سے دوسرے حصے بھی بدل چکے ہیں)۔

- ❖ تمام رجسٹرڈ کوآپریٹیو سوسائیٹیز کے ضابطوں کی جانچ پڑتال کی جائے اور کوآپریٹیو کی حقیقی روح میں اپ ڈیٹ کیا جائے۔
- ❖ تمام نئے ممبران، بنائے گئے ممبر اور شیئرز جاری کیے جائیں۔
- ❖ شفافیت اور حقِ معلومات کو لازمی بنایا جائے۔
- ❖ ڈیجیٹل آگاہی کے دن میں ریگولیٹری اتھارٹی کو تمام سوسائٹیوں کو اپنی ویب سائٹ پر اپ ڈیٹ کرنا چاہیے اور تمام انتخابات، اکاؤنٹس، زمین کے استعمال میں تبدیلی، ہر سوسائٹی کے میٹنگ منٹس، بائی لاز، ان کوآپریٹیو سوسائیٹیز کے ماسٹر پلان کی خبروں کو برقرار رکھنا چاہیے۔
- ❖ تمام معاشروں کے مالی معاملات کی نگرانی کریں۔
- ❖ سوسائٹی کے اپنے ممبران کے ذریعے دائر کردہ تمام قانونی چارہ جوئی کو اپ ڈیٹ کریں۔

کوآپریٹیو سوسائیٹیز اس وقت اپنے ممبروں کو گمراہ کر رہی ہیں، اور کوآپریٹیو کی اخلاقیات کا غلط استعمال کر رہی ہیں، اس لئے اس سے متعلق ابھی بہت کام کرنا ہے۔

Legislative History of Cooperative Laws

1904	First Cooperative Societies Act was adopted.
1909	First housing cooperative, Bangalore Building Cooperative Society, was founded in the State of Mysore.
1912	In 1912, an All India Cooperative Societies Act was passed.
1913	Bombay Cooperative Housing Association was founded.
1914	Sir Edward Maclagan Committee formed to review the position and to suggest a development plan for the movement in 1914.
1919	Cooperative Societies Act was further amended to allow the registered societies (both credit and non-credit, to adopt the legislation to prioritize local needs.
1925	The Cooperative Societies Act, 1925 enacted.

1945	R.G. Saraiya Committee formed.
Post 1947	
1952	The Punjab Government appointed a Cooperative Inquiry Committee in 1952 to review the position of the Cooperative movement.
1962	The Cooperative Development Board established.
1966	The Cooperative Board was abolished.
1972	The Cooperative Societies Reforms Order was issued.
1976	The Federal Bank of Cooperative (FBC) was established.
2020	The Sindh Cooperative Societies Act enacted.
2020	The Sindh Cooperative Societies Rules enacted.

پاکستان میں سبز عمارتیں: پائیدار ترقی کی راہ ہموار کرنا

ریشماں آفتاب

جیسا کہ موسمیاتی تبدیلیوں اور ماحولیاتی آلودگی سے متعلق چیلنجوں سے پوری دنیا نبرد آزما ہے، سبز عمارتوں کے تصور نے اہم اہداف حاصل کیئے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ سبز عمارتیں ماحول دشمن گیسز کے اخراج کو روک کر توانائی، پانی کے استعمال کو کم کر کے، پائیدار مواد اور تعمیراتی طریقوں کے استعمال کی حوصلہ افزائی کر تے ہوئے موسمیاتی تبدیلیوں کو کم کیا جا سکتا ہے، اور بالخصوص پاکستان جیسے ممالک کیلئے یہ سچ ہے کہ تیزی سے بڑھتی ہوئی تعمیرات اور ہاؤسنگ کے شعبے کی جانب سے بڑھوتری کے عمل نے موسمیاتی تبدیلیوں کے خطرے میں اضافہ کرتے ہوئے پائیدار ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کردی ہے۔

پاکستان میں سبز عمارتوں سے متعلق مقدمہ

گلوبل کلائمیٹ رسک انڈیکس کے مطابق پاکستان اس وقت عالمی سطح پر آٹھویں سب سے زیادہ ماحولیاتی خطرات کا شکار ملک ہے۔ یہ متعدد ماحولیاتی مسائل جیسا کہ تیزی سے آبادی میں اضافہ، شہری کاری، ماحولیاتی انحطاط، اور میکرو اکنامک چیلنجز کا نتیجہ ہے۔

شہری کاری کے لحاظ سے، پاکستان میں گزشتہ برسوں کے دوران غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، جس کے تحت اب جملہ ۲۴۲ملین کی آبادی ۳۶فیصد شہری علاقوں میں مقیم ہے۔ یہ اعداد و شمار آنے والے برسوں میں بھی تیزی سے بڑھنے کی جانب اشارہ ہے۔ شہری کاری کے ساتھ ساتھ، بڑھتی ہوئی فضائی اور آبی آلودگی، جنگلات کی کٹائی اور توانائی کی کمی جیسے چیلنجز بیک وقت پاکستان میں موسمیاتی تبدیلی کے خطرات کو بڑھا رہے ہیں۔

تعمیراتی شعبہ، جو اپنے وسائل پر مبنی معاشی ترقی سے متعلق طریقوں کیلئے جانا جاتا ہے، یہ شعبہ ماحولیاتی چیلنجوں میں نمایاں طور پر اپنا اثر رکھتا ہے کیونکہ یہ گھریلو اور صنعتی شعبوں میں توانائی کے استعمال کی بلند ترین سطح پیدا کرتا ہے۔ ملک کی رہائشی عمارتوں سے متعلق ہاؤسنگ مارکیٹ کا تناسب ۷۹ فیصد ہے، جبکہ ۲۱ فیصد کمرشل عمارتوں اور گوداموں پر مشتمل ہے جس میں سولہ اعشاریہ تین فیصد کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے، اس طرح کے توانائی کی کھپت کے طریقے تیزی سے بڑھنے کا امکان موجود ہے۔

سبز عمارتیں: پاکستان میں آئی ایف سی کیلئے ایک بڑھتی ہوئی اولین حکمت عملی

انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن (IFC)، جو ورلڈ بینک گروپ کا ایک رکن ہے، یہ ابھرتی ہوئی مارکیٹوں میں نجی شعبے پر توجہ مرکوز کرنے والا سب سے بڑا عالمی ترقیاتی ادارہ ہے۔ پاکستان میں آئی ایف سی کی اولین حکمت عملی میں سے ایک یہ ہے کہ کم کاربن اقتصادی ترقی بشمول تعمیرات اور رہائشی شعبے کو فروغ دینا ہے۔

عمارتوں کو عالمی سطح پر ایک کلیدی آب و ہوا کی مداخلت کے طور پر شناخت کیا گیا ہے، کیونکہ وہ پیدا ہونے والی توانائی کا ۳۳فیصد پانی کے جملہ استعمال کا ۴۰فیصد اور گرین ہاؤس گیسز (GHG) میں ۱۸فیصد حصہ ڈالتی ہیں۔ پاکستان جیسے ابھرتے ہوئے ممالک میں رئیل اسٹیٹ کی کم کاربن ترقی کو سہل بنانے کیلئے آئی ایف سی نے اِی ڈی جی اِی گرین بلڈنگ ریٹنگ اور سرٹیفکیشن سسٹم تیار کیا ہے، جو www.edgebuildi-ngs.com پر مفت آن لائن (http://www.ifc/org/en/insights-reports/2023/building-green-in-emerging-markets) موجود ہے۔ اِی ڈی جی اِی سافٹ ویئر عمارت کی کارکردگی کا جائزہ لینے سمیت اس کا مقامی بیس لائن سے موازنہ کرنے سے متعلق ایک تیز طریقہ فراہم کرتا ہے۔ اِی ڈی جی اِی سرٹیفکیشن، جو کہ اب عالمی سطح پر سب سے تیز ترین گرین بلڈنگ سرٹیفکیشن سسٹم ہے، جو مارکیٹنگ اور موسمیاتی فنانس تک رسائی میں اضافے کا ایک سہل طریقہ فراہم کرتا ہے۔

انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن (IFC) نے حال ہی میں ایک رپورٹ جاری کی جس کا عنوان ہے: سبز عمارتیں: ابھرتی ہوئی مارکیٹوں میں پائیدار تعمیر رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اگر توانائی کی بچت کیلئے تجویز کردہ اقدامات کیے جائیں تو ۲۰۲۲ء اور ۲۰۳۵ء کے مابین ہر سال تعمیراتی ویلیو چینز کو گریننگ کرنے کی کل لاگت عالمی جی ڈی پی کے محض صفر اعشاریہ صفر تین فیصد پوائنٹس کے برابر ہوگی۔ عالمی سرمایہ کاری کی ضروریات کا تخمینہ تین اعشاریہ پانچ ٹریلین ڈالر ہے جس میں سے ایک اعشاریہ پانچ ٹریلین ڈالر ابھرتی ہوئی منڈیوں کیلئے ہیں۔ دریں اثناء پاکستان میں سبز

عمارت مارکیٹ کے بڑھنے اور ۲۰۳۰ تک اس کی مالیت پانچ اعشاریہ پانچ بلین امریکی ڈالر ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔(ورلڈ بینک گروپ۔ کنٹری کلائمیٹ ڈیولپمنٹ رپورٹ ۲۰۲۲ء)۔

توانائی کی کارکردگی اور کم کاربن فوٹ پرنٹ

پاکستان میں سبز عمارتیں مختلف ڈیزائن عناصر اور ٹیکنالوجی کو شامل کر کے توانائی کی کارکردگی کو ترجیح دے سکتی ہیں۔ان میں مؤثر شمسی پینل، توانائی کی بچت والی روشنی، اور سمارٹ بلڈنگ مینجمنٹ سسٹم شامل ہیں۔توانائی کی کھپت کو کم کرنے سے، سبز عمارتیں کاربن کے اخراج کو نمایاں طور پر کم کرتی ہیں جو پاکستان کو اپنے موسمیاتی تبدیلی کے تخفیف کے اہداف میں پیشرفت میں مدد فراہم کر سکتی ہیں۔

پانی کا انتظام اور تحفظ

پاکستان کے کئی حصوں میں پانی کی کمی ایک اہم مسئلہ ہے۔سبز عمارتیں پانی کے تحفظ کے اقدامات جیسے کہ بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی، گرے واٹر ری سائیکلنگ، اور کم بہاؤ کے ذریعے اس چیلنج سے نپٹتی ہیں۔ یہ اقدامات نہ صرف پانی کی کھپت کو کم کرتے ہیں بلکہ ملک کے زیر آب وسائل پر دباؤ کو بھی کم کرتے ہیں۔

پائیدار مواد اور فضلہ کے انتظام کو فروغ دینا

پاکستان میں سبز عمارتیں پائیدار مواد کے استعمال پر زور دیتی ہیں، جیسے کہ ری سائیکل یا مقامی طور پر حاصل کردہ مواد، جو تعمیرات کے ماحولیاتی اثرات کو کم کرتے ہیں۔مزید برآں، یہ عمارتیں کچرے کے انتظام کی حکمت عملیوں کو شامل کرتی ہیں، ری سائیکلنگ اور کمپوسٹنگ سمیت، فضلہ کی پیداوار کو کم سے کم کرنے اور سرکلر اکانومی کو فروغ دینے کیلئے مؤثر رہتی ہیں۔

حکومت کے تحت اقدامات

پاکستان نے ۲۰۳۰ء تک اپنے مجموعی اخراج کو ۱۵ فیصد تک غیر مشروط طور پر کم کرنے کا عہد کیا ہے، جبکہ اخراج کو اضافی ۳۵ فیصد تک کم کرنے کا بھی عہد کیا گیا ہے، جو کہ موسمیاتی اقدامات کی دستیابی پر مشروط ہے۔ یہ جزوی طور پر مکمل کیا جائے گا۔

(الف) قابل تجدید توانائی کی توسیع (RE)؛

(ب) گرینگ ٹرانسپورٹیشن ۲۰۳۰ء تک پاکستان میں مختلف درجہ بندیوں میں فروخت ہونے والی تمام نئی گاڑیوں کا ۳۰ فیصد ای ویز ہونا چاہیے)؛ اور

(ج) کوئلے پر انحصار کم کرنا۔اس کے علاوہ ۲۰۲۱ء میں نیشنل ایکشن پلان نے تمام شعبوں میں کاربونائزیشن کو مرکزی دھارے میں لانے کی ضرورت کا اعادہ کیا ہے۔

لہٰذا پاکستان نے توانائی کی کارکردگی کو جلد از جلد حاصل کرنے کیلئے اپنے عزم کا اظہار کیا ہے، خاص طور پر ماحولیاتی وسائل کے تحفظ، گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج کو کم کر کے، اور'قومی موسمیاتی تبدیلی کی پالیسی'میں اپنی شرکت کے ذریعے پائیدار طریقے سے عمارتوں کے آپریشن کو فعال بنا کر حاصل کرنا۔

ترقیاتی ہدف (گیارہ پائیدار شہر اور کمیونٹیز)، اور'پائیدار عمارتوں اور تعمیرات پر اقوام متحدہ کا دس وائی ایف پی پروگرام'۔

چیلنجز اور مستقبل کا راستہ

جیسے جیسے پاکستان میں سبز عمارتوں کی تحریک زور پکڑ رہی ہے، کئی چیلنجز سے نمٹنے کی ضرورت ہے۔ان میں سبز عمارت کے تصورات سے متعلق محدود آگاہی اور تفہیم، پہلے سے زیادہ لاگت کے بارے میں غلط فہمیاں اور ہنر مند پیشہ ور افراد کی کمی شامل ہے۔ان چیلنجوں پر قابو پانے کیلئے تعلیم اور تربیتی پروگراموں میں سرمایہ کاری کرنا، پائیدار تعمیرات میں تحقیق، ترقی کو فروغ دینا اور سبز عمارتوں کے طویل مدتی فوائد کو اجاگر کرنے کیلئے آگاہی مہم چلانا بہت ضروری ہے۔

پاکستان میں سبز عمارتیں صرف ایک رجحان ہی نہیں بلکہ موسمیاتی تبدیلیوں سے سب سے زیادہ خطرے والے ممالک میں پائیدار ترقی کو وسعت دینے کی ضرورت ہے۔توانائی کی کھپت کو کم کر کے، پانی کا تحفظ، اندرونی ہوا کے معیار کو بہتر بنا کر اور پائیدار مواد کو فروغ دے کر یہ عمارتیں تعمیراتی صنعت کو تبدیل کر رہی ہیں اور ایک سرسبز مستقبل میں اپنا حصہ ڈال رہی ہیں۔

خاص طور پر ای ڈی جی ای پروگرام (https://edgebuildings.com) اس بات کی ایک بہترین مثال ہے کہ کس طرح پاکستان جیسے ملک نئے معیارات، فنانسنگ میکنیزم کو فروغ دینے سمیت گرین تعمیرات کیلئے ضوابط کو فعال کر کے مارکیٹ میں سبز عمارت تعمیر کی جا سکتی ہیں۔

حکومت کی مسلسل حمایت اور آگاہی میں اضافے سمیت تمام اسٹیک ہولڈرز کی مشترکہ کوششوں کے ساتھ سبز عمارت یقینی طور پر پاکستان کے شہری منظر نامے میں انقلاب لانے اور زیادہ پائیدار اور لچکدار مستقبل کی راہ ہموار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

جڑوں کی لچک: شہری - سی بی ای 'ملین ٹری' مہم

درخت لگانا صرف ایک مشغلہ نہیں ہے۔ یہ ہمیں درپیش ماحولیاتی چیلنجوں کا ایک اہم جواب ہے، آنے والی نسلوں کیلئے یہ مستقبل کو آلودگی سے محفوظ بنانے کیلئے مؤثر حکمتِ عملی ہے۔ شہری۔سی بی ای کی حکمتِ عملی 'ملین ٹریز مہم' کے پس پردہ یہی ایک جذبہ ہے، جس نے پہلے ہی کراچی کے مختلف حصوں میں پچیس ہزار سے زائد پودوں کو پرورش پاتے ہوئے دیکھا ہے۔

حال ہی میں، شہری کے اراکین عامرہ جاوید اور امبر علی بھائی نے برنس گارڈن میں ۲۰۰ سے زیادہ درختوں کا اضافہ کیا، جن میں خوشبودار جامن، میٹھی املی، اور جس میں دو عجوہ کھجور بھی شامل ہیں کے درخت لگائے۔ یہ لگن کراچی کو سرسبز بنانے کیلئے عامرہ کے دیرینہ عزم کی آئینہ دار ہے۔ چار برسوں سے وہ قائدِ اعظم مینجمنٹ بورڈ کے احاطے میں پھلوں کے درختوں، گل موہر اور نیم جیسی مقامی درختوں کی نسلوں کی پرورش کر رہی ہیں۔ اس کا وژن ہے کہ کراچی والوں بالخصوص بچوں کیلئے فطری جادو کا تجربہ کرنے کیلئے شاخوں پر پھلوں کے پکنے کا مشاہدہ کرنے سمیت اس کی تازہ مٹھاس کا مزہ چکھنے کیلئے۔ عامرہ کی جانب سے برسوں قبل لگائے گئے پودے جواب پھل پھول رہے ہیں، اور پھل پیدا کر رہے ہیں۔

شہری۔سی بی ای کی کہانی ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ماحولیاتی عمل اجتماعی جذبے سے پروان چڑھتا ہے۔ جب افرادی کمیونٹی اور حکومت باہمی طور پر کوششیں کرتے ہوئے درخت لگاتے ہیں جو ایک خوش آئند بات ہوتی ہے۔ یہ ہماری دھرتی کی فلاح و بہبود سمیت ہمارے مستقبل کیلئے مشترکہ عزم بن جاتا ہے۔

درخت لگانے کے ذریعے کراچی کو سرسبز بنانا ایک کثیر جہتی نقطۂ نظر ہے جو ماحولیاتی، سماجی اور صحت سے متعلق خدشات کو دور کرتا ہے۔ جیسے جیسے شہر پھیلتا جا رہا ہے، اس کے سبزہ زاروں کو محفوظ رکھنے اور بڑھانے کی اہمیت کو زیادہ نہیں سمجھا جاتا۔

مشترکہ کوششوں اور پائیدار اقدامات کے ذریعے کراچی میں آنے والی نسلوں کو ایک سرسبز، زیادہ پائیدار شہری ماحول میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

شہری کے ممبران برنس گارڈن میں درخت لگا رہے ہیں (05-12-2023)

ایک مہم جوئی، گلگت کا دورہ

عامرہ جاوید

آئی یو سی این پاکستان نیشنل کمیٹی (PNC) کا اجلاس ۲۰۲۲ء میں گلگت میں منعقد ہونا تھا، لیکن شدید بارشوں کی وجہ سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اور گلگت میں ۸ تا ۱۰ اگست ۲۰۲۳ء کو مذکورہ اجلاس کا دوبارہ شیڈول جاری کیا گیا۔

آئی یو سی این نے ۷ اگست کو صبح سویرے اسلام آباد سے اپنے اراکین کو لے جانے کیلئے ایک کوسٹر کا انتظام کیا اور ۱۸ اگست کو بنگی پہنچنے کیلئے ناران میں اسٹاپ کے ساتھ، مارخور کنزرویشن کمیونٹی کا دورہ کیا، جہاں کراچی سے تعلق رکھنے والے ممبران شام ۵ بجے کے قریب ان سے ملنا تھے۔ اسکردو سے نیچے ہم کراچی سے سکردو کیلئے براہ راست پرواز کے ذریعے پہنچے تھے کیونکہ یہ تجویز کیا گیا تھا کہ یہ سب سے محفوظ راستہ ہے کیونکہ اسکردو سے پرواز شاذونادر ہی منسوخ ہوتی ہے، جبکہ گلگت جانے والی پروازیں اکثر تاخیر یا منسوخ ہوجاتی ہیں۔

چونکہ میں اور ایچ ای جے سے ڈاکٹر سمیرا اس فلائٹ میں تھے جو صبح ۶:۰۰ بجے ٹیک آف کرتی تھی، ہمیں صبح ۴:۳۰ بجے اپنے گھر سے نکلنا تھا۔ ایک گھنٹے کی تاخیر کے بعد ہم صبح ۹:۳۰ بجے اسکردو پہنچے، فلائٹ بہت خوشگوار تھی، کیپٹن نے ہمیں ان جگہوں تربیلا ڈیم اور قراقرم کے پہاڑی سلسلے سے متعلق معلومات فراہم کیں، تربیلا ڈیم اور قراقرم کے پہاڑی سلسلے پر ہم پرواز کررہے تھے۔ ایک بار اسکردو میں ہمیں اپنی بیٹی سارہ کیلئے ۳۰ منٹ انتظار کرنا پڑا، جسے اسلام آباد سے میری درخواست پر میرے ساتھ جانا پڑا کیونکہ میں اس سفر کو اکیلے کرنے کیلئے تھوڑا متزلزل تھی۔

ہم نے گلگت تک کار کے سفر کا انتظام کیا تھا لیکن جیسے ہی ہم کار پر پہنچے تو ڈرائیور نے ہمیں اطلاع دی کہ رات بھر تیز بارش کی وجہ سے دونوں شہروں کے مابین درمیانی راستے میں لینڈ سلائیڈ ہوگئی ہے اور امید ہے کہ یہ ۳ بجے سہ پہر تک صاف ہوجائے گی۔

پہاڑ کی چوٹی سے لی گئی تصویر

ہمارے پاس دو انتخاب تھے یا تو بلاک شدہ سڑک پر پہنچ کر کار میں بیٹھیں یا اس دوران کچورا جھیل اور سوگ ویلی جیسے پکنک کے مقامات کا دورہ کریں۔ ہم نے کچورا جھیل کا دورہ کرنے کا انتخاب کیا۔ میں پلاسٹک کی بوتلوں اور ریپروں سے بھری سڑک کو پانی کے نالے کو خراب کرتے ہوئے دیکھ کر قدرے مایوس ہوئی۔

جب ہم کچورا جھیل کے سفر کے اختتام پر پہنچے تو وہاں ریفریشمنٹ اور فن پاروں کے چھوٹے چھوٹے کیبن تھے۔

خوبانی، اخروٹ اور سیب سے لدے درخت کراچی والوں کیلئے ایک دعوت فکر تھی، جو کنکریٹ کے جنگل سے برآمد کئے گئے تھے۔ ڈاکٹر سمیرا نے چند خوبانی توڑنے کی خواہش کی لیکن دکان کے مالک نے شائستگی سے کہا کہ اس کی ممانعت ہے۔

خوبانی کا درخت

وہاں ہم نے خوبانی اور بیر کے تازہ ترین جوس کا مزہ چکھا جو براہ راست توڑے ہوئے پھلوں سے بغیر کسی کیمیکل کے تیار کیے گئے تھے۔

کچورا جھیل کے نیچے کا سفر تقریباً ۷۰ قدموں پر مشتمل تھا جسے میں نے لینے کا خطرہ مول نہیں لیا لیکن سارہ اور سمیرا جھیل کے برفیلے ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈبونے کیلئے نیچے جھیل میں گئیں۔

واپسی پر ہم نے گرم کافی پی اور سوگ ویلی کیلئے روانہ ہوگئیں، جہاں انہوں نے دریا کے کنارے پر بیٹھنے کی جگہ بنائی تھی اور یہاں ہم مشہور ٹراؤٹ مچھلی کا آرڈر دے سکتے تھے، جسے ہم نے فوراً آرڈر کردیا کیونکہ اب لنچ کا وقت تھا۔ جب ٹراؤٹ آئی تو میں یہ دیکھ کر قدرے حیران رہ گئی کیونکہ مجھے اچھے سائز کی مچھلی کی توقع تھی لیکن یہ مشکل سے ہی ۴ سے ۶ انچ کی مچھلی تھی، جس میں ٹراؤٹ کا ذائقہ بھی نہیں تھا اس لیے ہم نے اسے ڈرائیور کو پیش کیا۔

اس سارے عرصے میں ڈرائیور حیدر جو کہ ایک بہت ہی شائستہ اور مہذب شخص تھا، روڈ بلاک کی صورتحال کے بارے میں اپنی ٹیم کے ساتھ رابطے میں رہا۔

جیسا کہ پہلے ۳:۰۰ بجے سڑک کی کلیئرنس کے تخمینی وقت کے بارے میں بتایا گیا تھا، ہم نے بلاک شدہ سڑک کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا اور شام ۴:۰۰ بجے تک پوائنٹ پر پہنچ گئے۔ وہاں ایک بار بتایا گیا کہ شام ۵ بجے تک تاخیر ہوسکتی ہے۔ شام کے ۵ بجنے پر ہمارے پاس بیٹھنے اور انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اور بیچارے ڈرائیور کی طرف سے کئی چکر لگانے کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ اگلے دن ۱۲ بجے کے بعد بھی یہ ممکن نہیں ہے، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے پہلے ہی اسے نظرانداز کیا تھا۔ بونجی کنزرویشن/سی سی ایچ اے، ڈسٹرکٹ استور کے دورے کی تقریب اور اس میٹنگ کو بھی یاد رکھیں گے جس کیلئے ہم نے کراچی سے سفر کیا تھا۔

اب میں نے اس سے اصل پوزیشن معلوم کرنے کیلئے خود ایف ڈبلیو او کے افسر کے پاس جانے کا فیصلہ کیا جو آپریشن کی نگرانی کررہے تھے۔

میں سائٹ تک آدھا کلومیٹر پیدل گئی اور افسر سے ۲فٹ کا راستہ صاف کرنے کی درخواست کی تاکہ ہم بلاک شدہ پوائنٹس کے دوسری طرف چل سکیں کیونکہ ہمیں اس طرف ایک اور کھدائی کرنے والا نظر آیا تھا، اور وہاں بس سڑک کے کنارے ایک بڑی چٹان کے علاوہ چھوٹی چٹانیں سڑک کو روک رہی تھیں، اور وہ اسے مکمل کرنے پر راضی ہوگیا۔ایک بار دوسری طرف حیدر نے اپنے دوست کے ساتھ اسکردو کے لیے مسافروں کے ساتھ سوئچ اوور کا انتظام کیا تھا۔

میری بات چیت کے بعد مذکورہ افسر کو مقامی لوگوں نے گھیر لیا جو ان کی زبان میں بات کررہے تھے، واپسی پر اس نے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے جو میں نے کیا ہے، مقامی لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے جو لوگوں کو اپنے گاؤں میں رات گزارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں طرف میلوں تک کوئی گیسٹ ہاؤس یا ہوٹل نہیں تھا۔

اب ہمارے پاس ایک ہی آپشن رہ گیا تھا کہ یا تو واپس اسکردو جائیں اور میٹنگ سے محروم ہوجائیں یا خطرناک پہاڑ پر چڑھ کر اس کے دوسری طرف اتریں۔ جو میرے دونوں چھوٹے ساتھیوں کے لیے ناممکن لگ رہا تھا، جب کہ ہم مقامی لوگوں کو ایسا کرتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔

میں نے پہاڑ کی چڑھائی کا معائنہ کیا جس نے چوٹی پر ایک چٹان پر ایک بہت ہی خطرناک چڑھائی کا سامنا کیا جہاں کوئی راستہ نہیں تھا۔

میں نے آخرکار اس بظاہر ناممکن کارنامے کو سرانجام دینے لیے جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ اگر ہم سورج کے غروب ہونے کے ساتھ مزید انتظار کرتے تو اس کام کو آگے بڑھانا ناممکن ہوتا۔ میں نے اپنی بیٹی سے کہا کہ میرا یقین پختہ ہے، اگر میں یہاں مر جاؤں تو کوئی چیز نہیں روک سکتی، لہٰذا بہادر بنیں اور چلیں۔

میں نے حیدر اور اس کے ایک دوست سے درخواست کی کہ وہ پہلے ان دونوں لڑکیوں کی چند فٹ چڑھنے میں مدد کریں، پھر واپس آکر میری مدد کریں۔اس طرح ہمیں پہاڑ کی چوٹی تک پہنچا دیا گیا۔ پھر ڈرائیور نے ہمیں بتایا کہ پھنسے ہوئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کس طرح تین خواتین، ایک سفید بالوں والی، پہاڑ پر چڑھ رہی ہیں، تو انہوں نے بھی اس کا انتخاب کیا۔ پہاڑ سے نیچے کا سفر زیادہ خطرناک تھا کیونکہ یہ زیادہ ریت کے ساتھ پھسلن والا تھا۔دوسری طرف ہماری بحفاظت لینڈنگ کے بعد، ٹیم ہمارا سامان لینے واپس چلی گئی، اس سارے کارنامے میں تقریباً ۲ گھنٹے لگے اور ہم اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے اور رات ۱۰ بجے تک گلگت پہنچ گئے، اس سفر میں ۷ گھنٹے لگنے کی امید تھی۔ ہمیں طویل تھکا دینے والے ۱۸ گھنٹے لگے۔

۹ اگست کو ہم نے مڈ ڈے تک بہت معلوماتی میٹنگ کی، جہاں ہمیں آئی یو سی این کے متعدد منصوبوں کے بارے میں بریفنگ دی گئی۔اس کے بعد ہم مارخور کنزرویشنی / کمیونٹی کنٹرولڈ ہنٹنگ ایریاز کا دورہ کرنے گئے، جہاں ہمیں ان کے مسائل اور مارخور ٹرافی ہنٹنگ کی کامیابی کی کہانی سے آگاہ کیا گیا۔ سفر کے دوران اسکردو کے برعکس ہمیں اردگرد کوئی کوڑا نظر نہیں آیا اور پھلوں سے لدے درخت آنکھوں کیلئے تروتازہ نظارہ تھا۔اس سال انہوں نے شکار کے لیے ۴ لائسنس دیے تھے اور کمیونٹی کو ۲۲ کروڑ ان کے حصے کے طور پر ملے جو کہ آمدنی کا ۸۰ فیصد ہے اور ۲۰ فیصد حکومت کا حصہ ہے، ۸۰ فیصد سے ۳۰ فیصد کواپ کیپ اور فائدہ مند پروجیکٹ کیلئے دوبارہ سرمایہ کاری کرنا ہے۔ یہ اتنی بڑی کامیابی کی کہانی ہے۔

کمیونٹی کے دورے کے بعد ہم قدیم بدھ (جسے مقامی طور پر یشانی بھی کہا جاتا ہے) کو دیکھنے گئے۔ سائٹ سے ہمیں ندی کے کنارے، کندہ کاری کا ایک

قدیم بدھا (یاشانی)

اچھا نظارہ تھا۔ اس رات آئی یو سی این نے ایک عشائیہ دیا جہاں سکریٹری اور دیگر مقامی سربراہان کو سرینا کے بفیٹ میں مدعو کیا گیا تھا، جو کہ اس کے کشادہ لان میں بے حد خوبصورت جگہ ہے۔

اگلے دن ہماری چیف سیکرٹری گلگت محی الدین وانی سے ملاقات ہوئی جو صرف پندرہ منٹ تک جاری رہنے کی امید تھی لیکن ایک بار شروع ہونے والی ملاقات تقریباً ایک گھنٹے بعد ختم ہوئی۔

اس چیف سیکرٹری نے ۱۴ ماہ کے قلیل عرصے میں صوبے میں بے شمار تبدیلیاں لائی ہیں۔

۱۔ تبدیلی کے ساتھ شروع کرنا

دو کمرے پرائمری اسکول سے چھ کمروں کے اسکول میں مناسب میزیں، پینٹ، دیواریں، لائبریریاں، آئی ٹی کی سہولیات اور سب سے اہم صحت مند لنچ۔ جیسا کہ اس نے بتایا کہ زیادہ تر بچوں کی نشوونما رک گئی ہے۔ اس نے طلباء کی آنکھوں کا ٹیسٹ کروانے میں بھی اپنا کردار ادا کیا، اور معلوم ہوا کہ ۲۰ فیصد طلباء کم نظر تھے اور انہیں مفت چشمے فراہم کیے گئے۔ یہ سب کچھ ان کے دوستوں، مخیّر حضرات اور ایل یو ایم ایس انتظامیہ کے تعاون سے ان کی ذاتی مصروفیات کی بنا پر ہوا تھا۔

چیف سیکرٹری گلگت بلتستان سے ملاقات

۲۔ایل یو ایم ایس نے اپنے طلبا کو اساتذہ کی تربیت کے لیے بھیجا، جو توسیع شدہ پرائمری اسکولوں کے لیے بھی ضروری ہے۔

۳۔تمام سرکاری سکولوں کی بہتری اور اسکولوں میں بیت الخلاء کی فراہمی۔

۴۔ان تمام اقدامات سے اسکولوں میں 20 فیصد سے 30 فیصد داخلہ اور حاضری میں 90 فیصد اضافہ ہوا ہے۔

۵۔اس کے دوران ان کی ٹیم نے بہت سے دوسرے ترقی کے منصوبے شروع کیے تھے۔

ان کے دفتر سے ہم راکاپوشی ویو اسپاٹ کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں فوزیہ نے پوری ٹیم کے لیے پیزا کی مقامی دکانوں سے اسنیکس خریدا جسے ہم نے راکاپوشی ویو اسپاٹ پر نوش کیا۔ اس لذت آمیز نظارے میں کھانے کا لطف الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا اور جب بھی یاد کیا جائے گا تو وہ ایک تاریخی دعوت تصور ہوگی۔

اس کے بعد ہم وادی غلکین کی سیر کرنے گئے جہاں ۱۹۷۵ء میں آغا خان نے ایک خوبصورت عمارت تعمیر کروائی تھی۔

وہاں کے تین (۰۳) دیہات میں شرح خواندگی ۱۰۰ فیصد تھی، ۱۳۰۰ افراد میں سے ۱۴ بیرون ملک تعلیم حاصل کر رہے تھے، اسکول آنے والی لڑکیوں کو اس مقام تک پہنچنے کے لیے گلیشیئر عبور کرنا پڑتا ہے۔

یہاں آئی یو سی این ایک پرانے گھر کی بحالی کا منصوبہ کرے گا جو بالآخر ایک سیاحتی مقام ہوگا جس سے گاؤں والوں کو اپنی آمدنی بڑھانے میں مدد ملے گی۔

یہ جگہ ایک پیالے کی مانند ہے جس کے چاروں اطراف پھلوں کے درخت ہیں، پھر کھیتوں کے، کھیتوں اور آخر میں پانی کے نالے جو گلیشیئرز سے پانی لے کر آتے ہیں۔ یہاں مقامی لوگوں نے ہمیں پرتکلف لنچ دیا اور اپنی سرگرمیوں پر مختصر دستاویزی ریکارڈ پیش کیا۔

اس کے بعد ہم ''گلیشیئر بریز اِن'' کا دورہ کرنے گئے جہاں کافی کے گرم کپ کے ساتھ بہترین اخروٹ اور خوبانی کا کیک پیش کیا جاتا ہے جو واقعی اس دنیا کے لیے پر لذت تھا، کیونکہ ہم پاسو کونز اور پاسو گلیشیئر کے بہت قریب ہیں جس میں پہاڑی کی چوٹی کے ساتھ بہتی ندی ہے۔ ریسٹورینٹ اور اس پہاڑ کے دامن میں ہم کو ''یاک برگر'' ریسٹورینٹ

پاسو گلیشیئر

میں جانے والی کاروں کی ایک لمبی قطار نظر آئی۔

واپسی پر ہم عطاء آباد جھیل پر رکے جو گوجال کے علاقے میں واقع تھی، یہ جنوری ۲۰۱۰ء میں عطاء آباد میں ایک اہم لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے بنی تھی، جہاں آپ واضح طور پر انسانی سرگرمیاں دیکھ سکتے ہیں کہ کشتی رانی کی سرگرمیوں کی وجہ سے قدیم نیلے پانی کو خاکستری رنگ میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔

یہ نظارہ آپ کی ریڑھ کی ہڈی میں لرزش لاتا ہے کیونکہ آپ درختوں کی چوٹیوں اور بجلی کے کھمبوں کو اب پانی کے نیچے دبے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔

وادی غلکین کی نماز کی جگہ اور کمیونٹی سینٹر

عطاء آباد جھیل - آپ پانی کے رنگوں میں واضح فرق سے انسانی سرگرمیوں سے تباہی کو دیکھ سکتے ہیں

ان کا کہنا ہے کہ لوگوں کو خطرے کی اطلاع مل گئی تھی اور ان میں سے زیادہ تر محفوظ مقامات پر چلے گئے تھے لیکن ایک خاندان پیچھے ہی رہا کیونکہ وہاں شادی تھی اور افسوس کی بات ہے کہ تقریباً پندرہ افراد زندہ دفن ہو گئے۔

یہاں سے ہم واپس راکاپوشی مارکیٹ گئے جہاں ٹیم نے مقامی قیمتی پتھروں اور مقامی گاؤنز، چترالی ٹوپیاں، اور خشک چیری، شہتوت اور خوبانی کی بہت اچھی خریداری کی۔

جب تک یہ ہو چکا تھا ہم نے محسوس کیا کہ اب بہت دیر ہو چکی ہے کیونکہ واپسی کے سفر میں کم از کم ڈیڑھ گھنٹے لگیں گے اور ہمیں اگلے دن اسکردو سے واپسی کی فلائٹ لینا تھی۔ چنانچہ میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ چیمہ صاحب کے ساتھ ہوٹل واپس جانے کا فیصلہ کیا جبکہ باقی ٹیم اسپیشل ٹراٹ کھانے گئی اور دیر سے واپس آئی۔

اگلی صبح ہم ۵:۳۰ بجے اسکردو کے لیے روانہ ہوئے، اور دریا کے کنارے، ہم پہاڑی سلسلے میں بے شمار بارودی سرنگیں دیکھ سکتے تھے اور صبح ۹:۰۰ بجے اسکردو اور پھر ۱۲:۴۵ بجے اسلام آباد پہنچ گئے۔

پاکستان میں ۳۶ نیشنل پارکس ہیں جس میں سے ۲۵ متعلقہ صوبائی حکومتوں کے ماتحت ہیں۔ صرف کچھ آئی یو سی این کے تحفظ کے دائرہ کار میں ہیں۔

حیاتیاتی تنوع کے تحفظ میں ان کی اہمیت کے بارے میں مزید آگاہی کی وجہ سے ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۵ء کے دوران دس نیشنل پارکس قائم کیے گئے۔

ماڈرن پروٹیکٹیڈ ا یسلیجشن کے مطابق، قدرتی پارک ایک محفوظ علاقہ ہے جسے حکومت نے قدرتی رہائش

بلین ٹری سونامی

گاہ میں اپنے نباتات اور حیوانات اور اس کی جنگلی حیات کے تحفظ اور اس کو بڑھانے کے لیے مختص کیا ہے۔

یہ تحقیق، تعلیم اور تفریح، عوام کے لیے قابل رسائی ہے۔ عوامی استعمال کو فروغ دینے کے لیے سڑکوں اور ریسٹ ہاؤسز کی تعمیر کی اجازت ہے۔ ان علاقوں میں آتشیں اسلحہ کے استعمال، جنگلی حیات کو آلودہ کرنے پر پابندی ہے۔ سب سے قدیم پارک بھاولپور میں لال سوہانہ ہے جو ۱۹۷۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔

غلکین ویلی کے اراکین کے ساتھ فوٹوگرافی

ایک شہری کی آزمائش (کراچی میں سرکاری افسر شاہی)

نہ صرف فنڈنگ کی رکاوٹوں کی وجہ سے، بلکہ تمام ذمہ دار سرکاری اداروں کی جانب سے وسیع اور گہری بے حسی کی وجہ سے کراچی کے بنیادی ڈھانچے کا بحران ایک نازک موڑ پر پہنچ گیا ہے۔

اس غفلت کی مثال بلوچ کالونی میں نیشنل بینک آف پاکستان شہید ملت برانچ اور شاہراہ فیصل پر بلوچ کالونی فلائی اوور کے قریب سروس روڈ کی حالت زار ہے۔

کراچی کا ایک متعلقہ رہائشی علاقہ نظر انداز کیے جانے والے مسائل کو حل کرنے کیلئے نشاندہی کی گئی ہے ۔ یہاں مخصوص خدشات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے:

۱۔ چوکڈ سٹارم ڈرین (مقام: بلوچ کالونی سے ٹیپو سلطان روڈ، کے ایم سی کے زیر انتظام):

❖ برساتی نالی میں رکاوٹ ہے، ممکنہ سیلاب اور نکاسی آب کے مسائل کا خطرہ ہے۔(کے ایم سی کے زیر انتظام)

❖ برساتی نالے کے متعدد حصے کو پوشیدہ رکھا گیا ہے، جس سے ممکنہ خطرات پیدا ہو رہے ہیں۔ (کے ایم سی کے زیر انتظام)

۲۔ چوکڈ گٹر لائنیں (کے ڈبلیو ایس بی کے زیر انتظام):

❖ گٹر لائنوں سے نظر انداز کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں نقصان، پانی کے بہاؤ اور پانی سے متعلق ممکنہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔(کے ڈبلیو ایس بی کے زیر انتظام)

۳۔ سڑک کے گڑھے اور سروس روڈ کی رکاوٹ (کے ایم سی / کے ڈبلیو ایس بی مقامی حکومت کے زیر انتظام):

❖ بند کردہ برساتی نالے کی وجہ سے سڑک میں گڑھے کھودے گئے ہیں۔ نالے، گٹر اور ٹریفک کی روانی متاثر۔

سروس روڈ گڑھوں اور کیچڑ کی وجہ سے رکاوٹ بنا ہوا ہے جس سے حفاظتی خدشات پیدا ہو رہے ہیں اور ٹریفک میں خلل پڑ رہا ہے۔

درج کرائی گئی شکایات اور اس کے بعد مختلف میونسپل محکموں اور مقامی حکومت کے ساتھ فالواپ کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن (کے ایم سی)

۲۱ دسمبر ۲۰۲۲ء کو، ایڈمنسٹریٹر کے ایم سی، کمشنر کراچی، ڈی سی ایسٹ، ایڈمنسٹریٹر ڈی ایم سی ایسٹ، اور سینئر ڈائریکٹر میونسپل سروسز سمیت اہم حکام کو شکایتی خطوط ارسال کر کے اہم مسائل کو حل کرنے سے متعلق ایک ابتدائی شکایت درج کی گئی۔

افسوس کی بات ہے کہ رپورٹ شدہ مسائل کو حل کرنے کیلئے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ ۱۴ فروری ۲۰۲۳ء کو ان ہی حکام کو ایک فالواپ شکایت پیش کی گئی، لیکن بارہا کوششوں کے باوجود کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ ۶ مارچ ۲۰۲۳ء کو جدوجہد جاری رہی، ایک مسلسل اپیل کے ساتھ، ایک اور شکایت متعلقہ حکام کو پیش کی گئی جس کے حل کیلئے درخواست کی گئی۔

بدقسمتی سے کوئی کارروائی نہیں کی گئی، مسائل کو حل کیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔

کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ (کے ڈبلیو ایس بی)

مایوسی کی بات یہ ہے کہ متعدد مواقع پر کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ (کے ڈبلیو ایس بی) کو سرکاری شکایتی خطوط ارسال کرنے کے باوجود کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

۱۴دسمبر۲۰۲۲ء کو حوالہ نمبر: ۷/۲۱۸، ۲۲دسمبر ۲۰۲۲ء کو ۷/۴۵۱ اور ۳۰مارچ ۲۰۲۳ء کو۹۴۲۴ کے ساتھ باضابطہ طور پر یہ خطوط ایگزیکٹیوانجینئر، کراچی ڈویژن سول ون، بلاک بی کے دفتر کو ارسال کیئے گئے تھے۔نواں میل کارساز، شاہراہ فیصل، نزدعوامی مرکز، کراچی۔ مسلسل فالواپ کے باوجود، ان مسائل پر پیش رفت کا فقدان ایک سخت مایوسی کا باعث ہے۔

وزیراعلی سندھ

ہماری شکایات کے حل کیلیئے وزیر اعلی سندھ سے مداخلت کی درخواست کرنے کے باوجود ان کے دفتر سے مایوسی کا سامنا ہوا۔ اپریل ۲۰۲۳ء میں ایک آن لائن شکایت فارم آفیشل پورٹل (https://cm.sindh.gov.pk/complaint) کے ذریعے جمع کرایا گیا تھا۔ مایوس کن طور پر، اس ابتدائی کوشش کو کوئی پذیرائی نہیں ملی۔ غیرمتوقع طور پر 2 مئی کو ایک ہارڈ کاپی خط چیف سیکرٹری ہاؤس کے ذریعے وزیراعلی سندھ کو ارسال کی گئی۔ یہاں تک کہ یہ براہِ راست اپیل بھی لا جواب ہی رہی، جس سے ہمیں یہ گہرا تاثر ملتا ہے کہ وزیراعلی سندھ کا دفتر کراچی کے رہائشیوں کے تحفظات کو بالکل نظرانداز کرتا ہے۔

گورنر ہاؤس سندھ

۲مئی ۲۰۲۳ء کو گورنر ہاؤس کو بھیجی گئی شکایت پر جناب اشرف قریشی (رابطہ:۰۳۰۰-۲۲۰۳۹۹۴) کی جانب سے غیر متوقع جواب ملا۔ مسئلہ حل کرنے کی یقین دہانی کے باوجود کے ایم سی اور کے ڈبلیو ایس بی کے لاتعلق رویوں نے گورنر ہاؤس کو بے بس کر دیا۔ بدقسمتی سے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

گورنر ہاؤس اپنی کوششوں کے باوجود مسائل کو حل کرنے اور ان پر قابو پانے میں ناکام رہا، خاص طور پر جب بیوروکریٹس کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو شکایت سیل کا ہونا غیر مؤثر لگتا ہے۔ یہ اس طرح کے میکانزم کی افادیت پر سوال اٹھاتا ہے۔

مقامی اتھارٹی

یونین کونسل اور ٹاؤن چیئرمین سے بھی رابطہ کیا گیا۔ دونوں کو خط ارسال گئے گئے۔

مسٹر فرحان غنی، ٹاؤن چیئرمین، جمشید ٹاؤن، کراچی ۲۸ ستمبر ۲۰۲۳ء کو حوالہ نمبر: ۰۲۸ کے ساتھ ۴خطوط ارسال کیئے گئے۔

چیئرمین، یونین کمیٹی ۲، چنیسر ٹاؤن، ڈسٹرکٹ ایسٹ، کراچی، کو خطوط کا حوالہ:۳۵،۳۶، ۳۷، ۳۸ مورخہ ۲۸ستمبر ۲۰۲۳ء کو موصول ہوا۔

افسوس کہ مندرجہ بالا حضرات میں سے کسی کی طرف سے بھی کوئی جواب دہ نہیں ہوا۔ ٹاؤن چیئرمین کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہے اور یونین کمیٹی ۲ کے چیئرمین کا تعلق جماعتِ اسلامی سے ہے، لیکن دونوں نے یکساں سطح کی بے حسی کا مظاہرہ کیا، خدشات کو تسلیم کرنے یا ان کا جواب دینے میں عار نہیں۔

مرتضی وہاب صاحب

مسٹر فیاض چاچڑ جو کہ مرتضی وہاب کے قریبی مانے جاتے ہیں، ان کی جانب سے ۸ جولائی ۲۰۲۳ء کو فون نمبر: ۰۳۳۳-۷۱۶۴۶۵۷ پر رابطہ کیا گیا۔ کئی یقین دہانیوں اور مہینوں کی پیروی، اور یقین دہانی کے باوجود کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔

جناب مرتضی وہاب کو ایک رسمی خط ارسال گیا جس میں فالواپ واٹس ایپ میسج اور ان کے موبائل نمبر:۰۳۳۳-۲۳۴۹۶۳۱ پر مکمل آگاہی کے ساتھ بدقسمتی سے کوئی قابلِ عمل کاروائی یا جواب موصول

نہیں ہوا۔ یوں تو میئر کراچی عوامی رابطوں میں سبقت لے جاتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان کے پاس اصل مسائل کے حل کے لیے وقت نہیں ہے۔

صوبائی محتسب سندھ

سندھ کے صوبائی محتسب کے دفتر میں ایک باضابطہ شکایت (حوالہ: ۲۴۱۵) درج کرائی گئی، اور یہ صوبے کا ایک اہم ادارہ معلوم ہوتا ہے جو دیانتداری اور شہریوں کیلئے حقیقی تشویش کا مظاہرہ کرتا ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ریجنل ڈائریکٹر جناب سید فرخ حبیب نے ذاتی طور پر سائٹ کا دورہ کیا اور مسئلے کی سنگینی پر زور دیا۔

تاہم، ایک چیلنج باقی ہے، کیونکہ بیوروکریسی محتسب کی مداخلتوں کے بارے میں نسبتاً بےفکر نظر آتی ہے، اکثر خطوط کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے جب تک کہ متعدد نوٹسز جاری نہیں کیے جاتے۔ اعلی حکام (گریڈ ۱۸ اور اس سے بالا) کے حاضر ہونے کیلئے محتسب کی ہدایت کے باوجود، جونیئر اہلکاروں کو اکثر بھیجا جاتا ہے۔ کے ڈبلیو ایس بی کے معاملے میں، ایک جونیئر شخص مسٹر علی (رابطہ: ۰۳۴۱-۳۱۵۸۵۳۶) نے عذر پیش کیا۔

محتسب کی جانب سے کے ایم سی کو متعدد نوٹسز کے بعد، ۱۳ دسمبر ۲۰۲۳ء کو ایک پیش رفت ہوئی، جب کے ایم سی ورکس اینڈ سروسز کے تین نمائندوں نے آخر کار میٹنگ میں شرکت کی۔

محتسب کے دباؤ کے تحت، انہوں نے جائے وقوع کا دورہ کیا اور سروس روڈ بڑے گڑھوں کی وجہ سے مسائل کا شکار ہے، وہاں وہ کچھ کیچڑ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس سے وہ روڈ گزرنے کے قابل ہوئے۔ تاہم برساتی نالہ بدستور بند ہے اور گٹر کی لائنیں خستہ حال اور رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔

فی الحال، سرکاری محکمے پی سی ون کی منظوری میں تاخیر کی دعویدار ہیں، تمام کاموں کو روکنے کی وجہ کے طور پر الیکشن کمشنر آف پاکستان کی جانب سے ترقیاتی کاموں پر پابندی کا حوالہ دیتے ہیں۔ (ستم ظریفی یہ ہے کہ جناب فرحان غنی کی میڈیا ٹیم اس علاقے میں جاری ترقیاتی کاموں پر مسلسل فخر کرتی ہے جہاں پیپلز پارٹی کا امیدوار الیکشن میں حصہ لے گا)۔

طوفانی نالے کی صفائی، کے ایم سی کیلئے ایک اہم ذمہ داری، سرمائے کے بجٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح، کے ڈبلیو ایس بی کے ذریعے گٹر لائنوں کی دیکھ بھال کے لیے کوئی خاص سرمایہ مختص کرنے کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک حقیقی رکاوٹ کے بجائے ان محکموں کی طرف سے ایک عذر کی طرح لگتا ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ جناب آصف علی زرداری کراچی کی ترقی کے بارے میں گفتگو میں مصروف ہیں۔ تاہم، پی پی پی کی حکومت میں، شہر اندرون سندھ کے ایک گاؤں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ اہم ادارے یعنی کے ڈبلیو ایس بی اور کے ایم سی شہر کو درپیش اہم مسائل کے حوالے سے لاتعلق رویہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

https://www.dawn.com/news/1790784

کراچی جو کبھی ہلچل مچانے والا شہر تھا، ایک زندہ ڈراؤنے خواب میں تبدیل ہو گیا ہے۔ گندگی اور غفلت سے بھری اس کی گلیاں شہری ایجنسیوں، بیوروکریٹس اور مقامی حکومت کی مکمل بے حسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ عوام کے یہ فرض شناس خادم اسی عوام کو اپنے پاس رکھتے ہیں جس کی حفاظت کی انہوں نے قسم کھائی تھی۔

یہ محض تکلیف دہ نہیں ہے، یہ ہمارے وقار، صحت، ہماری زندگیوں پر حملہ ہے۔ جبکہ بیوروکریٹس ہلاّ گلاّ کرتے ہیں اور سیاست دان، کراچی کے شہری مصائب میں ڈوب جاتے ہیں۔

کراچی کے ٹیکس کا المیہ

پروفیسر ڈاکٹر نعمان احمد

ہمارے میونسپل ادارے آمدنی سے محروم ہیں۔ کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن (کے ایم سی) ہوں، ٹاؤنز ہوں یا یونین کمیٹیاں، ان اداروں کا مسئلہ ایک جیسا ہے۔

مالیات کو مستحکم کرنے کے لیے، کے ایم سی کچھ عرصے سے میونسپل یوٹیلیٹی چارجز اور ٹیکسز (ایم یو سی ٹی) کے نفاذ پر عمل پیرا ہے۔ کراچی میں میونسپل یوٹیلیٹی چارجز اینڈ ٹیکسز (ایم یو سی ٹی) کی وصولی کا فیصلہ ابھی تک کوئی ٹھوس شکل اختیار نہیں کر سکا۔

کئی ہفتے قبل، میئر سٹی کونسل کے ذریعے کراچی الیکٹرک (کے اِی) کو اس ٹیکس کی وصولی کے لیے شامل کرنے کیلئے خیال کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے ایک قرارداد پاس کرنے میں کامیاب ہوئے۔ معاملہ سندھ ہائی کورٹ میں پہنچ چکا ہے۔ مختلف حلقوں، خاص طور پر سٹی کونسل میں اپوزیشن کی صفوں کی طرف سے سختی سے مخالفت کا اظہار کیا گیا ہے۔

عام لوگوں کے ساتھ ہونے والی بات چیت بتاتی ہے کہ موجودہ معاشی کساد بازاری اور مایوس کن صورتِ حال یہ کوئی نیا محصول لگانے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ شہری پہلے ہی بجلی کی بندش اور پانی، سیوریج اور نکاسی آب میں خدمات کی خراب سطح کے مسائل سے دوچار ہیں۔

مجموعی طور پر مہنگائی جو ۲۰۲۳ء کے دوران چالیس فیصد کے قریب رہی، جس نے شہر اور اس سے باہر عام لوگوں کی زندگی کو مفلوج کر دیا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ عام لوگوں پر ایک اور مالیاتی بوجھ ڈالنا سراسر ناجائز ہے۔

میونسپل یوٹیلیٹی چارجز کے نفاذ سے شہر کو 'ہے اور 'نہیں ہے' میں تقسیم کرنے کا امکان ہے۔

لوگ کے ایم سی کی ناقص کارکردگی کو بھی کئی حوالوں سے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ مثال کے طور پر، سب سے اہم دیکھ بھال کے کاموں کو انجام دینے کیلئے کوئی مداخلت نہیں کی گئی ہے جس کی میٹروپولیس کو ضرورت ہے۔ سڑکیں، گلیاں، واٹر مین، نکاسی آب کے چینلز، سیوریج لائنیں، سالڈ ویسٹ مینجمنٹ کی جگہیں، فٹ پاتھ، پیدل چلنے والے پل، قدرتی پانی کے نالے (نالے)، ٹریفک سگنل، گرین بیلٹ، پل اور ضروری شہری بنیادی ڈھانچے کے دیگر اجزاء مکمل یا جزوی طور پر موجود ہیں۔ جبکہ کچھ کام دیگر شہری اداروں کے کنٹرول میں آتے ہیں، سمجھا جاتا ہے کہ کے ایم سی کو میٹروپولیس کا سب سے بڑا منتخب میونسپل فورم سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے لوگ اکثر ٹیکس اور یوٹیلیٹی چارجز کے درمیان الجھ جاتے ہیں۔ ٹیکس انتظامیہ کی طرف سے شہریوں، اداروں یا دونوں پر بعض شرائط کی تکمیل سے متعلق عائد کیا جاتا ہے۔ پراپرٹی ٹیکس غیر منقولہ جائیداد کے مالکان سے وصول کیا جاتا ہے اور موٹر وہیکل ٹیکس مقررہ زمروں میں گاڑیوں کے استعمال کرنے والوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ ہر زمرہ واضح طور پر صارف گروپوں کی شمولیت اور اخراج کو ان کی متعلقہ خصوصیات کے مطابق بیان کرتا ہے۔

اہم نکتہ یہ ہے کہ کے ایم سی نے عوامی اشیاء کے ایک حصے پر ٹیکس لگایا ہے جو کسی رکاوٹ کے بغیر سب کیلئے آزادانہ طور پر قابل رسائی ہونا چاہیئے۔ بہتر ماحول عوام کا دیرینہ حق ہے۔ یہ دلیل اس حقیقت سے ماخوذ ہے کہ یہ شہر قومی خزانے میں براہ راست اور بالواسطہ ٹیکسوں کا سب سے زیادہ حصہ ڈالتا ہے۔ اس طرح ایک بہتر ماحول اور متعلقہ بنیادی ڈھانچہ حق کا معاملہ بن جاتا ہے۔

ہماری صوبائی اور مقامی انتظامیہ مالی وسائل کی کمی کی شکایت کرتی ہے۔ ۲۰۱۰ء میں اٹھارویں آئینی ترمیم کی منظوری کے بعد قومی مالیاتی کمیشن کے ایوارڈ میں صوبائی حصہ میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔

ہر سال اربوں روپے صوبائی خزانے میں منتقل ہوتے ہیں۔ سندھ کو آکٹرائے اور دیگر ٹیکس کے خاتمے کی وجہ سے خصوصی رقم بھی ملتی ہے۔ چونکہ کراچی صوبے کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی پر مشتمل ہے، اس لیے یہ فرض کیا جاتا ہے کہ شہری انفراسٹرکچر اور متعلقہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے متناسب رقم مختص کی جائے گی، لیکن اس قسم کا کچھ نہیں کیا گیا۔

مایوس کن بات یہ ہے کہ صوبائی مالیاتی کمیشن، جو کہ صوبے کے اضلاع میں فنڈز مختص کرنے اور تقسیم کرنے کا ذمہ دار ادارہ ہے، بڑی حد تک غیر فعال رہا۔

کراچی رئیل اسٹیٹ کی ترقی بھی ایک اہم بات ہے، جس سے ٹیکس کی مد میں اربوں کی مالیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تاہم، شہر مذکورہ انتہائی اہم ٹیکس فارم میں صرف دو بلین یا اس سے زائد رقم جمع کرتا ہے۔

پراپرٹی ٹیکس، شہری اور ذیلی شہری جائیداد کے مالکان پر اولین ٹیکسوں میں سے ایک عائد ہوتا ہے جو سرمایہ کاری سے براہ راست مستفید ہو رہے ہوتے ہیں اور متعدد عوامل کی وجہ سے ان کی جائیداد کی عمومی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسی طرح شہر میں روزانہ نوسو سے زائد کاروں/ دیگر چار پہیوں اور ایک ہزار سے زیادہ موٹر سائیکلوں کی رجسٹریشن کی اطلاع کے باوجود موٹر وہیکل ٹیکس کے ذریعے آٹھ اعشاریہ پانچ بلین روپے جمع کیے گئے۔

اگر کے ایم سی کو ایم یو سی ٹی جمع کرنے کی اجازت مل جاتی ہے تو اور بھی بہت سے چیلنجز سامنے آئیں گے۔ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ایم یو سی ٹی شہر کو ''ہونے'' اور ''نہ ہونے'' میں تقسیم کرنے کا امکان ہے۔ بالائی اور درمیانی آمدنی والے علاقے، تجارتی علاقے اور پوش علاقے اس لیوی و دیگر کے نتیجے میں ہونے والے اخراجات کا مرکز ہوں گے۔

غیر منظّم علاقے، پھیلتے ہوئے کم آمدنی والے محلے اور شہری علاقوں کو آخرکار ان کی اپنی کم قسمتی پر چھوڑ دیا جائے گا۔ ٹیکس دہندگان کا دباؤ کم مراعات یافتہ مقامات پر عوامی انفراسٹرکچر کے اخراجات کی اجازت نہیں دے گا۔ زیادہ مرئی لیکن کم مطابقت والے پروجیکٹس پرانے سیاق وسباق کے اردگرد تیار ہوتے رہیں گے۔ یہ پہلے سے ہی ایک معروف حقیقت ہے کہ سڑکوں اور شاہراہوں نے کم آمدنی والے علاقوں کو معمولی فائدہ پہنچایا ہے۔

مزید برآں، دائرہ اختیار کا تنازعہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ جس کو ہموار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے محلوں کے مکین جو کے ایم سی کے کنٹرول میں نہیں آتے، انہیں مختلف فارمیٹس کے ذریعے خدمات ملتی رہیں گی، جبکہ میونسپل حدود میں رہنے والوں پر لیوی کی ادائیگی کا بوجھ پڑے گا۔

نئے محصولات کے حوالے سے صارفین کی نوعیت اور پیمانے پر غور کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر روڈ کو استعمال کرنے سے متعلق وصولی پر نظرثانی کی جانی چاہیے، اور ممکنہ طور پر ان سڑکوں کو ترقی سے مزین اسکیموں کے مطابق بنایا جانا چاہیے جو حال ہی میں بنائی گئی ہیں۔ پیدل چلنے والوں یا جائیداد کے مالکان سے موٹر سائیکلوں کے فوائد وصول نہیں کیے جانے چاہئیں۔

یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ، سرمایہ کاری کا بڑا حصہ سڑکوں، ایکسپریس ویز، فلائی اوورز، انٹرچینجز اور بائی پاس میں صرف کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، سڑک کو چوڑا کرنے کی اسکیموں نے پیدل چلنے والوں کو فٹ پاتھ کے بنیادی حق سے محروم کر دیا ہے۔ پیدل چلنے والے کراسنگ بہت کم ہیں۔ ٹریفک کی تیز رفتاری نے سڑکوں کو عبور کرنے کو انتہائی خطرناک بنا دیا ہے۔

شہر میں سالڈ ویسٹ مینجمنٹ کی صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ جبکہ معاہدے کی پیچیدگیوں نے اس سروس میں غیر ملکی فرم کی شمولیت کی اجازت نہیں دی، اس شمار پر کے ایم سی کی موجودہ کارکردگی مطلوبہ معیار سے بہت نیچے ہے۔

ہماری میونسپل ایجنسیاں کم آمدنی کی شکایت کرتی ہیں۔ یہ حقیقت موجودہ لیویز کی وصولی کا جائزہ لینے کے قابل ہے۔ شہر میں پراپرٹی ٹیکس کے حوالے سے ریونیو پیدا کرنے کی بہت زیادہ صلاحیت ہے۔ جائیداد کی قدروں کا کم بیان اور جمع کرنے کے ناقص طریقہ کار اس شعبے کی مختلف بیماریوں میں سے صرف دو ہیں۔

شہر میں پانی کی سپلائی ان لوگوں کے لیے تقریباً مفت ہے جو اسے پائپ سے حاصل کرتے ہیں یا جو لوگ اسے غیر رسمی ذرائع سے حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ واٹر چارجز کی وصولی میں بہتری آئی ہے لیکن یہ اب بھی صارفین کی تعداد ۶۰ فیصد سے کم ہے۔ اس کے برعکس، صارفین کی ایک بڑی تعداد اسے انتہائی مہنگے پانی کے ٹینکرز کے ذریعے حاصل کرتی ہے۔

موٹر کاروں اور موٹر سائیکلوں سے موٹر وہیکل ٹیکس لگانے اور موثر طریقے سے وصول کرنے کے لیے کوئی مانیٹرنگ نہیں کی جاتی، جو اب لاکھوں میں موجود ہیں۔ وہ موٹر وہیکل ٹیکس سے متعلقہ آمدنی کا ایک حقیقی ذریعہ ہیں۔ خالی پلاٹوں پر عدم استعمال کی فیس ایک اور سرا ہے جسے منطقی انجام تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

جنوبی ایشیا کے دوسرے شہروں سے اسباق حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ڈھاکہ اپنے ذرائع سے تقریباً ۷۰ فیصد آمدنی پیدا کرتا ہے۔ باقی دیگر حکومتی گرانٹس اور دیگر آپشنز سے حاصل کیا جاتا ہے۔

کے ایم سی کو میونسپل چارجز کے تصور اور اطلاق پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ نئے ٹیکس لگانے کی تجویز مستفید ہونے والوں اور متاثرین کی بنیاد سے ہونی چاہیے۔ فائدہ اٹھانے والوں کو سرمایہ کاری کی لاگت کا اشتراک کرنا چاہیئے۔

بنیادی انفراسٹرکچر کے لحاظ سے کم ترقی یافتہ مقامات کے لیے مناسب رقم مختص کی جانی چاہیے۔ کم مراعات یافتہ علاقوں میں عوامی اخراجات کا طریقہ کار قائم کرنے کیلئے ایک مساوات فنڈ بنایا جا سکتا ہے۔

اس قسم کے فنڈز کم ترقی یافتہ سیاق وسباق تیار کرنے کے لیے متمول علاقوں سے جمع کیے گئے ٹیکسوں کا ایک خاص فیصد نکالتے ہیں۔ انفراسٹرکچر کے مبہم اجزاء کے علاوہ، زیرِ زمین نالوں، نالیوں اور پائپ لائنوں کو بحال کرنے پر بھی زور دینا جانا چاہیے۔

زمینی حقائق کا سائنسی جائزہ لینے کے بعد ٹیرف اور چارجز کا شیڈول طے کرنے کی ضرورت ہے۔ اسٹیک ہولڈرز کی شرکت پوری مشق میں خاطر خواہ اضافہ کر سکتی ہے۔

اشیاءخوردونوش کے ذریعے ہمارے جسموں میں پلاسٹک کا داخل ہونا

عامرہ جاوید

یہ بیان کہ ''پلاسٹک کی آلودگی ہمارے سمندر کو تباہ کر رہی ہے'' کا قارئین پر کوئی سخت اثر نہیں پڑا لیکن اس خبر نے کہ ''پلاسٹک فوڈ چین کے ذریعے ہمارے جسموں میں داخل ہو رہا ہے'' جس نے میرا سکون چھین لیا اور اس کے بارے میں کچھ کرنے کیلئے اکسایا۔

ہم ایک ایسے مرحلے پر پہنچ چکے ہیں جہاں پلاسٹک کی آلودگی دنیا میں سب سے بڑا خطرہ بن چکی ہے، جس کی وجہ سے جانوروں اور انسانوں کی بقاء خطرے میں ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال سمندر میں پلاسٹک کے کچرے کی وجہ سے سو ملین سے زیادہ سمندری جانور ہلاک ہو جاتے ہیں اور دنیا بھر کے سمندروں میں تقریبا سو ملین ٹن پلاسٹک موجود ہے۔

ہر سال ہزاروں وہیل مچھلیاں، پرندے، کچھوے اور دیگر آبی حیات سمندری ماحول میں پلاسٹک کے تھیلے کی گندگی سے ہلاک ہو جاتی ہیں، کیونکہ وہ پلاسٹک کے تھیلوں کو جیلی مچھلی جیسی خوراک سمجھ کر کھا لیتے ہیں۔ پلاسٹک کے تھیلے ایک بار کھا جانے کے بعد کسی جانور کے ذریعے ہضم یا جسم سے باہر نکلنے سے قاصر ہوتے ہیں اس لیے یہ آنتوں میں موجود رہتا ہے، جس کی وجہ سے نظام انہضام میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ سمندری کچھوں کی تقریباً تمام اقسام کو خطرے سے دوچار قرار دیا گیا ہے۔ انہیں اپنی رہائش گاہ کی تباہی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان کے رہائشی حصے پر گندے پلاسٹک بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ پلاسٹک اور کھانے والی اشیا کے مابین فرق نہیں کر پاتے، اور جو کچھ بھی ان کے قریب ہوتا ہے اسے کھاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ پلاسٹک کھا کر مر جاتے ہیں، جبکہ ان میں سے جو اکثر زندہ رہتے ہیں، وہ بھی جال یا مچھلی پکڑنے کے سامان میں پھنس جاتے ہیں۔

اگر ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں اور اپنے ساحلوں کی صورت حال کا جائزہ لیں تو ہم پر یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ ایک ایجاد جس نے ہمارے ماحول کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے وہ ہے پلاسٹک۔ یہ ایک عالمی مسئلہ ہے، لیکن اس کا حل مقامی طور پر اس سے نمٹنے میں ہی ہے کیونکہ یہ اس سطح پر پہنچ چکا ہے جہاں فوری طور پر سخت اقدامات اٹھانے کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر ہم نے سمندر میں پلاسٹک کے بہاؤ کو نہ روکا تو ۲۰۵۰ تک سمندر میں مچھلی سے زیادہ پلاسٹک موجود ہوگا۔

پہلا قدم یہ ہے کہ اس کے استعمال کو کم کیا جائے جبکہ دوسرا یہ کہ اس کو دریاؤں اور سمندروں میں داخل ہونے سے روکا جائے کیونکہ وہاں سے یہ ہمارے کھانے میں آ رہا ہے۔ ایک نئی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے سمندروں میں نوے فیصد سے زیادہ پلاسٹک دس بڑے دریاؤں سے پانی کے بہاؤ کے توسط سے آتا ہے، جن میں آٹھ ایشیا یانگسی، سندھ، پیلا، ہائی ہی، گنگا، پرل، امر، میکونگ اور دو افریقہ نیل اور نائیجر شامل ہے۔ یہ دریا کمبوڈیا، لاؤس، انڈیا اور پاکستان میں ہیں، ہم ان دریاؤں کو صاف کرنے کے قابل ہیں ہیں جبکہ ہم خود اپنے سمندروں کو صاف کر سکتے ہیں۔ ایسا کرنے کے لیے ہمیں بڑے پیمانے پر آگاہی کے منصوبوں کی ضرورت ہے کہ وہ ہمارے دریاؤں کو ٹھوس فضلہ اور صنعتی فضلے کے لیے ڈمپنگ سائٹس کے طور پر استعمال کر کے آلودہ نہ کریں۔

جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مستقل طور پر استعمال ہونے والے پلاسٹک بیگز اور اسٹرا، پلیٹس، کپ وغیرہ کی تیاری پر پابندی عائد کی جائے۔

زیادہ تر پلاسٹک کی بوتلیں پولی تھیلین ٹیریفتھلیٹ (گھریلو مویشی) سے بنی ہوتی ہیں، جو ری سائیکل کرنے کے قابل ہوتی ہیں لیکن اس کا استعمال اس کو ری سائیکل کرنے کی صلاحیت سے زیادہ بڑھ جاتی ہے جس کے نتیجے میں اس کے سمندروں میں داخل ہونے کے بعد اسے ضائع ہونے میں تقریبا ایک ہزار برس لگ جاتے ہیں۔ ایک تخمینے کے مطابق ہر سال تقریبا چار اعشاریہ ایک ملین بوتلیں تیار ہو رہی ہیں، جس کا استعمال دنیا بھر میں کیا جاتا ہے۔

جہازوں اور کشتیوں پر پلاسٹک کی بوتلیں لے جانے پر پابندی ہونی چاہیے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال تقریباً تیرہ اعشاریہ پانچ ملین ٹن پلاسٹک ہمارے سمندروں میں داخل ہوتا ہے، جسے ہم سمندری مخلوق کے ذریعے کھاجاتے ہیں۔ بیلجیئم کی گینٹ یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے حال ہی میں تحقیق کی ہے کہ جو لوگ سمندری غذا کھاتے ہیں وہ ہر سال پلاسٹک کے دس ہزار چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کھاتے ہیں۔ گزشتہ اگست میں پلائی ماتھ یونیورسٹی کی ایک تحقیق کے نتیجے میں بتایا گیا تھا کہ ایک تہائی مچھلیوں میں پلاسٹک پایا جاتا ہے، جیسے کوڈ، ہیڈاک، میکریل اور شیل فش جو برطانیہ میں پکڑی جاتی ہیں۔ زہریلے کیمیکلز پلاسٹک سے نکلتے ہیں اور تقریباً ہم سب کے خون اور جسم میں پائے جاتے ہیں، **جس کی بناء پر کینسر، پیدائشی نقائص، کمزور قوت مدافعت، اینڈوکرائن میں خلل اور دیگر بیماریوں کا ہمیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔** ہمارے سیوریج سسٹم میں داخل ہونے والے خوردبینی چھوٹے ٹکڑے زیادہ تر کاسمیٹک چیزوں جیسے اسکربس، ماسک وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر اعلیٰ قسم کی زنجیریں اب نامیاتی متبادل کا انتخاب کر رہی ہیں لیکن سستے میں جو زیادہ استعمال ہوتے ہیں وہ اب بھی ان کا استعمال کر رہے ہیں اس کے لیے آگاہی دینے کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں اور ان کے استعمال پر پابندی لگانے والے کچھ مضبوط قوانین چین نے بنائے ہیں، وہ سمندروں کو آلودہ کرنے والے سب سے بڑے ممالک میں سے ایک ہے۔ تاہم حال ہی میں اس نے اپنے چھیالیس شہروں کو حکم دیا ہے کہ وہ دو ہزار بیس تک اپنے فضلے کو پینتیس فیصد تک چھانٹنا شروع کر دیں اور دو مرتبہ آئی یو سی این کے صدر رہنے کے بعد سے یہ سب سے زیادہ تبدیلیاں کرنے والی قوموں میں سے ایک بن گئی ہے۔

اب پاکستان میں ہمارے حالات کی طرف آتے ہیں مسئلہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے لیے حکومت کی مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہوگی۔ این جی اوز، سول سوسائٹی، بندرگاہوں کے حکام ماہی گیر برادری اور ذرائع ابلاغ اس سے لاحق خطرات کے بارے میں آگاہی پیدا کرنے کے لیے اور اس کا مطلب ہے کہ اس کے بارے میں کیسے جاننا ہے۔ افسوسناک ہے کہ یہ حکومت کی ترجیحی فہرست میں شامل نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ پلاسٹک ہمارے جسموں میں کیسے داخل ہوا ہے یہ بیان مجھے اس کے بارے میں کچھ کرنے پر مجبور کرنے کیلئے کافی تھا کہ میں شہری اور آئی یو سی این کی ممبر ہونے کے ناطے یہ اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ میں اپنی حیثیت سے جو کچھ کر سکتی ہوں وہ کروں۔ چنانچہ میں نے آئی یو سی این میں اپنے ساتھیوں اور اس کے سربراہ محمود اختر چیمہ صاحب سے رابطہ کیا جنہوں نے مجھے اس سلسلے میں ایک مہم شروع کرنے کی ترغیب دی اور آئی یو سی این کے دفتر کو اسٹیک ہولڈرز کے ساتھ ملاقات کا اہتمام کرنے کی ڈیوٹی سونپی گئی تو مجھے مایوسی ہوئی کہ سب سے زیادہ متعلقہ افراد یعنی آئی یو سی این پورٹ اتھارٹی اور بحریہ کے نمائندے سامنے نہیں آئے۔ ہمیں این آئی او، پی ایس او، ڈبلیو ڈبلیو ایف، کنٹونمنٹ بورڈ اور کیریٹاس سے جواب ملا۔ کیریٹاس نے مختلف سائٹس کو ایک پائلٹ پروجیکٹ کے طور پر لینے کا مشورہ دیا تاکہ اسے پائیدار طریقے سے پلاسٹک سے پاک بنایا جا سکے۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہاکس بے میں ایک گوٹھ سومار کا انتخاب کیا جائے اور اسے پلاسٹک سے پاک بنانے کی کوشش کی جائے تاکہ دوسرے دیہاتوں کیلئے یہ ایک مثال بن سکے، کیونکہ یہ ماہی گیر معاشرے کا وہ طبقہ ہیں جو ہمارے سمندروں میں پلاسٹک سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

آئی یو سی این کے جارج صادق اور کیریٹاس سے سرفراز انور کی مدد سے ہم گیارہ ستمبر ۲۰۱۸ کو سومار گوٹھ کا دورہ کرنے میں کامیاب ہوئے، جس کی سربراہی میں نے اور ڈاکٹر نزہت خان نے کی جبکہ آئی یو سی این سے صادق نے کی۔ وہاں گاؤں کے بزرگوں نے ہمارا استقبال کیا، جہاں ہم ان کے کمیٹی روم میں بیٹھے، ان سے اپنا تعارف کروایا، ہمارے دورے کا مقصد ان کو پلاسٹک کے نقصانات، انسانی زندگی اور مچھلیوں پر اس کے منفی اثرات سے آگاہ کیا گیا۔ انہوں نے ہماری بہت پذیرائی کی اور وہ ہمیں گاؤں اور اسکول کے ارد گرد لے گئے، ہم وہاں بچوں سے ایک مختصر گفتگو کرنے میں کامیاب ہوئے اور ان سے پلاسٹک کے تھیلوں کا استعمال بند کرنے کی درخواست کی اور ان سے وعدہ کیا کہ ہمارے اگلے دورے پر انہیں کپڑے کے شاپنگ بیگ دیں گے۔

یہ دریافت کرنے پر کہ انہوں نے جو پلاسٹک کچرا جمع کیا تھا اس کا کیا، ہمیں اطلاع ملی کہ ایک آدمی آ کر اسے اکٹھا کرتا ہے، لیکن بعد میں اسے ایک جگہ پر پھینک کر آگ لگادی جاتی ہے۔

ہم نے انہیں زہریلے دھوئیں کو سانس لینے کے خطرات سے متعلق بھی بتایا اور ہدایت کی کہ کسی ایسے شخص کو تلاش کریں جو اس ری سائیکلنگ کی سہولت کو فروخت دے سکے۔ یہ ایک چھوٹی سی شروعات ہے جو ہم نے کی ہے، اب ہم گاؤں کے قریب صفائی کی ایک سرگرمی کا انعقاد کرنا چاہتے ہیں، جس میں کچھ عطیہ دہندگان شامل ہیں تاکہ عوامی بیداری کیلئے اس مسئلے کو اجاگر کیا جاسکے۔ پی ایس او کی جانب سے جاوید نے اپنی اہلیہ جو کہ ایک ڈاکٹر ہیں کی مدد سے وہاں میڈیکل کیمپ لگانے کی پیشکش بھی کی۔ ہم نے انہیں پودے لگانے کیلئے مختلف اقسام کے پودے بھی دیئے تاکہ ہمارے اگلے دورے پر ہم دیکھ سکیں کہ کس طرح ان کے زندہ رہنے کا زیادہ امکان ہے تاکہ ہم وہاں اس کی بڑے پیمانے پر شجرکاری کرسکیں، جیسا کہ ہمیں دکھایا گیا تھا کہ سمندر کیسے آگے بڑھ رہا ہے اور وہ زمین کے کٹاؤ کی وجہ سے گاؤں کے مکینوں کو پیچھے دھکیل رہے ہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ ہم نے گوٹھ میں پلاسٹک کی بہت سی بڑی بوتلیں نہیں دیکھی تھیں، پوچھنے پر ہمیں بتایا گیا کہ وہ خالی بوتلوں کو آپس میں جوڑ کر ان کو ایک آدمی مچھلی کیلئے چھوٹے ڈنڈے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستانی جگاڑ میں استاد ہیں۔

اب ایک متعلقہ شہری کیلئے چند تجاویز ہیں جو پلاسٹک کے استعمال کو کم کرنے کیلئے ہم میں سے ہر کوئی کرسکتا ہے۔

۱۔ ہمیشہ دوبارہ قابل استعمال پانی کی بوتل ساتھ رکھیں۔

۲۔ ٹیک وے اور دودھ اور دہی کیلئے کھانے کے ڈبے اپنے ساتھ رکھیں۔

۳۔ ایک بار استعمال کرنے والے پلاسٹک جیسا کہ شیشے، تنکے، پلیٹیں، تھیلے، بوتلیں وغیرہ سے پرہیز کریں۔

۴۔ قابل استعمال بوتلوں کو ترجیح دیں۔

۵۔ گاڑی میں ہمیشہ کپڑے کے تھیلے اپنے پاس رکھیں۔

۶۔ کم پیکیجنگ مواد والی مصنوعات کا انتخاب کریں۔

۷۔ دفاتر میں پینے کے فوارے اور ڈسپنسر کے استعمال کو فروغ دیں۔

۸۔ گھریلو مصنوعات جیسے گلاس کلینز، فیبرک سافٹنر، روم اسپرے وغیرہ جمبو پیک میں خریدیں اور ری فل ایبل بوتل استعمال کریں۔

۹۔ بوتلوں کے بجائے صابن کی سلاخوں کا استعمال کریں۔

۱۰۔ آگاہی پیدا کریں یا اپنے سیوریج حکام سے مطالبہ کریں کہ وہ سمندر میں داخل ہونے والے اپنے وسائلمیں اس کے ٹھوس مواد کے اخراج کو روکنے کیلئے جال بنانے کی کوشش کریں۔

اس چھوٹی سی معلومات کے ساتھ اب میں اپنے تمام ہم وطنوں سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ اس بات کو پھیلائیں اور ایک شہری کی حیثیت سے ہم اپنی حیثیت کے مطابق جو بھی اقدامات کر سکتے ہیں، وہ کریں۔

کاغذ کے کپ کو فطرت کے مطابق پانی جذب کرنا چاہیے، اگر یہ پانی جذب نہیں کر رہا ہے، تو کاغذ اور مائع کے درمیان ایک رکاوٹ ہونی چاہیے۔ اور وہ رکاوٹ پولی تھیلین پلاسٹک ہے۔ ایک تحقیق میں معلوم ہوا ہے کہ پندرہ منٹ میں گرم مائعات سے پچیس ہزار تک پہنچ جاتا ہے۔

آپ کے کپ میں مائیکرو پلاسٹک کے ذرات ہیں، لیکن کوئی اس پر سوال نہیں کر رہا۔ کوئی بھی اس کے بارے میں نہیں سوچ رہا، کیونکہ یہ ہماری روزمرہ کی زندگی کا صرف ایک حصہ ہے۔

کیا ہم پلاسٹک کو میٹابولائز کرنے میں کے ماہر ہیں؟ نہیں، پلاسٹک ایک غیر ملکی ذرات ہے۔ درحقیقت یہ ٹوٹ کر نمو پلاسٹک میں تبدیل ہوجائے گا، اور عام طور پر نمو پارٹیکلز کو خلیے کی جھلیوں میں گھسنے کے قابل ہونے کا مسئلہ درپیش ہے۔ لہٰذا یہ خلیے میں بہت گہرائی تک داخل ہوسکتا ہے، یہ سوزش کا سبب بن سکتا ہے، آپ کا جسم نہیں جانتا کہ اس سے کیسے نمٹا جائے۔

یہ ایک غیر ملکی چیز ہے۔ لہٰذا جب آپ ان کا سامنا کریں گے تو آپ کو اشتعال انگیز ردعمل ملے گا۔ لیکن چیزوں کو مزید خراب کرنے کیلئے، مائیکرو پلاسٹک خود ایک غیر ملکی جسم ہے، وہ پلاسٹائزر کیمیکل بھی چھوڑتے ہیں جب وہ آپس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

وہ آپ کے جسم میں زہریلے کیمیکل بھی لے جا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر حملہ کر سکتے ہیں اور ہمارے خلیوں میں ضم ہوسکتے ہیں، آپ جو کچھ بھی کھاتے ہیں۔ مائیکرو پلاسٹک جو انسانی پھیپھڑوں کے خون اور نالی میں موجود ہیں، کون جانتا ہے کہ اس کا کتنا حصہ نئے پیدا ہونے والے بچوں میں داخل ہو رہا ہے۔

پاکستان میں مادری زبان پرمبنی ہدایات

عادل اشرف

اکہتر سال قبل ڈھاکہ یونیورسٹی میں طلبہ کے احتجاج پر انتظامیہ نے طلبہ کو گولی مار کر ہلاک کردیا تھا۔ طلباء ایک ہی زبان اردو کو قومی زبان کے طور پر نافذ کرنے اور بنگالی کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے کے سخت مخالف تھے۔ مظاہروں نے بنگالی تحریک آزادی کا بیج ڈالا اور اسی دن یعنی اکیس فروری کو یونیسکو کی جانب سے اسی دن کو عالمی طور پر ''مادری زبان'' کے طور پر منانے کا اعلان کیا ہے۔ زبان کی پالیسی کی اپنی تلخ تاریخ کے باوجود، پاکستانی ریاست زبان کی پالیسی کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر اور نقطۂ حد میں محدود ہے۔ انگریزی اور اردو کے ساتھ اس کا تعین شاید تعلیم کے شعبے میں سب سے زیادہ نقصان دہ رہا ہے۔ طلباء، اساتذہ اور والدین کو ان زبانوں میں سیکھنے اور سکھانے دونوں کا سامنا کرنا پڑا ہے جو وہ بولتے یا پوری طرح سے نہیں سمجھتے ہیں۔ ماہرین تعلیم، اور محققین کے درمیان اس بات پر وسیع اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ بچے اس وقت سب سے بہتر سیکھتے ہیں جب ان کو سب سے زیادہ مانوس اپنی مادری زبان میں پڑھایا جائے۔ دوسری یا تیسری زبان کے مقابلے میں مادری زبان میں سیکھنے پر ان بچوں کی حوصلہ افزائی اور دلچسپی کی سطح نمایاں طور پر زیادہ ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ مادری زبان میں سیکھنے سے انگریزی جیسی دوسری زبانوں کے حصول میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس طرح، تعلیمی نظام میں مادری زبان پر مبنی ہدایات کی پالیسی کو ایک لازمی نوٹ کے طور پر شامل کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود، پاکستان، لسانی اعتبار سے متنوع ملک ہونے کے باوجود، اردو یا انگریزی میں تعلیم دینے پر دوٹوک اصرار کا سہارا لے رہا ہے۔ ہماری قوم سازی ہمیشہ تنوع کو منانے کے بجائے اختلافات کو مٹانے کی طرف مرکوز رہی ہے۔ جب صرف سات فیصد پاکستانی اردو کو اپنی پہلی زبان سمجھتے ہیں، اور کوئی بھی مقامی زبان کے طور پر انگریزی سے بالکل واقف نہیں ہے، تو اس بے بنیاد زور کو دونوں زبانوں میں سے کسی ایک میں پڑھانے کی کیا وضاحت ہوتی ہے؟ مزید یہ کہ جب اساتذہ اور نہ ہی والدین کے پاس بڑی تعداد میں انگریزی یا اردو میں مطلوبہ قابلیت ہے تو پھر پالیسی ساز ان سے اپنے بچوں کو ان زبانوں میں پڑھانے کی توقع کیسے رکھتے ہیں؟ بدقسمتی سے، ذرائع تعلیم، واضح ہونے کے باوجود، سرکاری، نجی اور عطیہ دہندگان کے حلقوں میں بہت کم توجہ حاصل کرتا ہے۔ ملک میں تعلیمی اصلاحات کے گرد پوری گفتگو تین اہم مسائل کے گرد گھومتی ہے: اسکول سے باہر بچے، نصاب میں اصلاحات، اور کم سیکھنے کے نتائج۔ اگرچہ یہ تینوں اہم پالیسی مسائل ہیں، لیکن ان کو بغیر تدریسی مسئلے پر غور کیے جامع طور پر حل نہیں کیا جا سکتا۔ کلاس رومز کا ہونا جہاں بچے اپنی زبان میں سیکھتے ہیں، سیکھنے کے نتائج کو بڑھانے میں مددگار ثابت ہوگا، اور ساتھ ہی اسکول میں اساتذہ ان کی صلاحیتوں کو بھی بہتر بنائیں گے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں تقریبا بانوے سے پچانوے فیصد بچوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم تک رسائی حاصل نہیں ہے۔ بچے اور اساتذہ اکثر انگریزی میں پیش کیے گئے ریاضی کے مسائل کا اردو اور پھر اپنی مادری زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ ان تراجم میں سیکھنے کا بہت سا مواد ضائع ہو جاتا ہے۔ بالآخر، اس طرح کے سیکھنے کے عوامل مؤثر تعلیم کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں، جس سے مہارت اور علم کی ترقی کو نقصان پہنچتا ہے، اور معاشی نقل وحرکت کو محدود ہوتی ہے، جو محض ایک پالیسی ایشو سے زیادہ گہرا ہے۔

اساتذہ اور اسکول انتظامیہ کی جانب سے اسکولوں میں بچوں کو پنجابی اور پشتو میں بات کرنے پر سرزنش کی جاتی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مغربی پنجابی، جو پاکستان میں بولی جاتی ہے، دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے جس کو کلاس روم میں کوئی حیثیت حاصل نہیں، یہاں تک کہ ایک مضمون کے طور پر بھی تعلیم کے وسیلے کو چھوڑ دیں۔ سندھ اس حوالے سے بہتر ہے کیونکہ سرکاری اسکولوں میں سندھی زبان کو اس کا مناسب حق دیا جاتا ہے اور اسے بطور مضمون پڑھایا جاتا ہے۔ بالآخر، پاکستان کو تعلیمی نظام کے اندر اور باہر علاقائی زبانوں کو مناسب احترام اور قدر دینے سے پہلے بہت طویل سفر طے کرنا ہے۔ قارئین یہ بحث کر سکتے ہیں کہ مادری زبان پر مبنی ہدایات ایک قابل مقصد عمل ہے، لیکن بدقسمتی سے یہ ناقابل عمل لگتا ہے۔ علاقائی زبانوں کیلئے صحت مند پالیسی اور ثقافتی نقطہ نظر کو نوٹ کرنے کیلئے کسی کو دور تک دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستان نے اپنی مقامی زبانوں کا جشن منایا ہے اور وہاں ملک بھر میں اکثر بچے اپنی مادری زبانوں میں تعلیم حاصل کرتے اور سیکھتے ہیں، یہ ریاست پر منحصر ہوتا ہے، اور بنگالی جیسی زبانیں اکثر اسکولوں میں ذریعۂ تعلیم کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ پاکستان کے اندر، دی سٹیزنز فاؤنڈیشن نے تھر میں ایک کثیر لسانی تعلیمی ماڈل ڈیزائن کیا ہے جو نرسری سے گریڈ دس تک زبان کی ترقی کے ماڈل کے حصے کے طور پر ڈھاٹکی (مادری زبان)، سندھی، اردو اور انگریزی کو یکجا کرتا ہے۔ اس منصوبے کو علاقے کے اکیس اسکولوں میں متعارف کیا جا رہا ہے اور اس کا مقصد کمیونٹی میں سیکھنے اور خواندگی کی سطح کو بہتر بنانا ہے۔ اس طرح کی کوششیں نوزائیدہ ہیں

لیکن مادری زبان پر مبنی تعلیم کے لیے ثبوت اور سیکھنے کے لیے ضروری اقدامات ہیں جو بڑے پیمانے پر شروع کیے جائیں گے۔ ایسی کافی تحقیق اور شواہد موجود ہیں جو تعلیم کے نتائج کو بہتر بنانے میں مادری زبان پر مبنی ذریعۂ تعلیم کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ماہرین تعلیم، محققین، پالیسی ساز، این جی اوز، اور ماہرین تعلیم اس مسئلے کو پاکستان میں مرکزی دھارے میں لانا شروع کریں۔ اس کے بعد کے اقدامات میں علاقائی زبانوں میں نصابی کتب تیار کرنے کیلئے وسائل اور کوششیں شامل ہوں گی، اساتذہ کو کثیر لسانی تعلیم میں تربیت دی جائے گی، اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ طالب علم ان زبانوں میں سیکھیں اور ان کا جائزہ لیا جائے جو ان سے زیادہ مانوس ہیں۔ بالآخر، فوائد سیکھنے کے بہتر نتائج سے آگے نکل جائیں گے۔ وہ ملک میں ایک وسیع تر ثقافتی اور سیاسی تبدیلی کا حصہ ہوں گے جہاں ہم اپنے لسانی تنوع کا جشن منانا شروع کریں گے اور اپنی بھرپور ادبی روایات کو برقرار رکھیں گے جس کا نتیجہ ملک کیلئے مزید سماجی ہم آہنگی پر منتج ہوگا۔

پاکستان کی نوجوان طاقت کو اجاگر کرنا: نوجوانوں کی شہری مصروفیت کو بڑھانا

آج کی پیچیدہ دنیا میں نوجوانوں کو ایک مشکل وراثت کا سامنا ہے: ماحولیاتی بحران، بڑھتی ہوئی عدم مساوات، اور غیر محفوظ مستقبل۔ ان محدود چیلنجوں کے مابین مواقع اور غیر ذمہ داری جیسے عوامل کو نوجوانوں کی اکثریت بے آواز محسوس کرتی ہیں۔

بہت سے ممالک میں نصف سے زیادہ آبادی پر مشتمل ہونے کے باوجود نوجوان (اٹھارہ تا تیس) اکثر مرکزی دھارے کی سیاست اور فیصلہ سازی سے پسماندہ رہتے ہیں۔ پاکستان اس کی مثال دی جاتی ہے۔ تیس سال سے کم عمر کے چونسٹھ فیصد، (پندرہ تا انتیس) کے مابین انتیس فیصد کی صلاحیت غیر استعمال شدہ ہے۔

یہ منقطع نوجوانوں کے ووٹروں کی تعداد انتہائی کم ہے۔ پاکستان کے پچھلے آٹھ انتخابات میں نوجوانوں کی اوسط اکتیس فیصد حصہ داری تھی، جبکہ ۲۰۱۸ء میں مجموعی طور پر یہ چوالیس فیصد تھی، جس میں تیرہ پوائنٹ کا فرق ہے، حیرت انگیز طور پر اٹھارہ ملین رجسٹرڈ نوجوان ووٹروں نے محض ووٹ ہی نہیں دیا۔

پھر بھی، امید ان کی بے پناہ صلاحیتوں میں پنہاں ہے۔ ڈان نیوز کی رپورٹ کے مطابق، ۳۵ سال سے کم عمر کے ووٹر اب پینتالیس فیصد ووٹر پر مشتمل ہیں، جو گیم کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تاہم، نوجوان کارکنوں کی بکھری کوششیں، جو اکثر سوشل میڈیا پر انحصار کرتی ہیں، انہوں نے اس خلاء کو پر نہیں کیا۔

جبکہ سندھ کے ۲۰۲۱ء کے طلبہ یونین بل اور ۲۰۱۸ء کی یوتھ پالیسی جیسے وعدے کرنے والے اقدامات سے متعلق نفاذ میں تاخیر کا سبب ہے۔ تعلیمی نظام نوجوانوں کو آئین میں درج ان کے حقوق اور آزادیوں کے علم سے آراستہ کرنے پر خاموش ہے۔ ''یہ وہ ہے جہاں ہماری'' نوجوانوں کی شہری حقوق سلب ہوتے ہیں۔

تعلیم: ''سیاسی اور آزادی کے حقوق'' ورکشاپ ہم متنوع کی تبدیلی کو ہوا دیتے ہیں۔ سیاسی طور پر فعال نوجوانوں کو اس سے جوڑتے ہیں:

☆ان کی آواز کو با اختیار بنائیں: انتخابی عمل میں عوامی سماعتوں، پالیسی مباحثوں، ایڈووکیسی، کمیونٹی آرگنائزنگ، اور حکومتی نگرانی میں شامل ہونے کیلئے ان کی رضامندی اور صلاحیت میں اضافہ کریں۔

☆ تنقیدی سوچ کو روشن کریں: انہیں جمہوری اصولوں، اداروں اور طریقوں کے علم کے ساتھ ساتھ مؤثر شرکت کی مہارتوں سے آراستہ کریں۔

☆جمہوری اقدار کی حمایت کریں: صحت مند جمہوریت کیلئے انتہائی اہم تنقیدی سوچ، باعزت مکالمے اور جوابدہی جیسی بنیادی اقدار کو پہچاننے اور لاگو کرنے میں ان کی مدد کریں۔

سماجی ممنوعات سے نمٹ کر جمہوریت کو درپیش موجودہ مسائل سے نمٹنے، اور نوجوانوں کے منحرف ہونے کی وجوہات کو سمجھ کر، ہم نوجوان لیڈروں کو پاکستان کی سیاسی زندگی میں اپنی صحیح جگہ کا دعویٰ کرنے کیلئے با اختیار بناتے ہیں۔ ایک بار ان کی آوازیں سننے کے بعد ان کی قوم کے روشن مستقبل کی سوچ کو جنم دے سکتی ہے۔

ان تاریخوں پر کراچی، حیدرآباد، میرپورخاص، سکھر اور پنوعاقل میں فریڈرک نعمان فاؤنڈیشن کے تعاون سے ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔

۱۔ حیدرآباد میں ۳ جون ۲۰۲۳ء
۲۔ میرپورخاص میں ۱۰ جون ۲۰۲۳ء
۳۔ کراچی میں ۱۵ جون ۲۰۲۳ء
۴۔ کراچی میں ۲۴ جون ۲۰۲۳ء
۵۔ کراچی میں ۱۵ اگست ۲۰۲۳ء
۶۔ کراچی میں ۱۵ ستمبر ۲۰۲۳ء
۷۔ پنوعاقل میں ۱۶ ستمبر ۲۰۲۳ء
۸۔ کراچی میں ۲۵ ستمبر ۲۰۲۳ء

۱۵ ستمبر ۲۰۲۳ء، سکھر

۱۵ جون ۲۰۲۳ء، کراچی

شہری۔شہری برائے بہتر ماحول ــــ ایک تعارف

شہری۔سی بی ای (شہری برائے بہتر ماحول) کراچی میں قائم ایک رضا کارانہ تائیدی گروہ ہے جسے حساس اور ہمدرد شہریوں نے 1988ء میں قدرتی ماحول کی تباہی اور اسے دوبارہ تعمیر کرنے کے متعلق اپنے خدشات اجاگر کرنے کے لیے قائم کیا تھا۔

شہری غیرقانونی تعمیرات درجہ بندی کی خلاف ورزیوں اور ان سے متعلق علامات مثلاً گندے پانی کی نکاسی، ناجائز تجاوزات، پارکنگ اور انفرااسٹرکچر، سے نمٹنے پر خصوصی زور دیتا ہے۔ شہری۔ سی بی ای باقاعدہ اداروں اور حکومتی ایجنسیوں کی نگرانی کرتا ہے اور سول سوسائٹی کی ایسا ہی کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

کامیابیاں

سندھ سینئر سٹیزن ویلفیئر بل 2014ء کی منظوری، کلفٹن روڈ کی اعلان کردہ سڑک چوڑی کرنے کی جگہ پر گلاس ٹاور کی غیرقانونی تجاوزات کا انہدام۔

منگھوپیر روڈ پر گٹر باغیچہ کی 680 ایکڑ اراضی کا تحفظ۔ یہ لیاری کے کم آمدنی والے گنجان آباد علاقے کی، جس میں تقریباً دس لاکھ افراد رہائش پذیر ہیں، سب سے بڑی کھلی تفریحی جگہ ہے۔

کراچی کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی یونین میں کڈنی ہل پارک کی 62 ایکڑ اراضی بشمول کے ڈبلیو ایس بی کی اعلان کردہ تنصیبات کی 18 ایکڑ اراضی کا تحفظ۔

کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (کے بی سی اے) کی نگران کمیٹی اور ایک عوامی معلوماتی کاؤنٹر کا قیام۔

کراچی اور سندھ میں کراچی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے 11 اور سندھ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے 15 بس ڈپوؤں کی کمرشلائزیشن اور فروخت کو رکوانا۔ آج کل یہ پلاٹ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی بین الشہر بسوں کے اڈّے اور ٹرانسپورٹ سے متعلق دیگر سرگرمیوں کے لیے استعمال کررہی ہے۔

لائنز ایریا کراچی میں کھیل کے میدان (میکرو) ویب گراؤنڈ کا تحفظ۔

باغ ابنِ قاسم کلفٹن کے رفاہی پلاٹ میں کوسٹالینا اپارٹمنٹ کے ڈھانچے کا انہدام۔ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی نے اب یہاں ایک پارک بنا دیا ہے۔

لاہور میں ڈونگی گراؤنڈ پارک/کھیل کا میدان کی کمرشلائزیشن کی روک تھام۔

لاہور بچاؤ تحریک کے ایک حصے کے طور پر کینال بینک توسیع منصوبے سے ہونے والے نقصان کی مقدار کو کم کرنا۔

کوئٹہ میں زلزلے کے جھٹکے سے بچاؤ کے تعمیراتی قانون کی دوبارہ توثیق۔

شہری۔ پولیس باہمی عمل میں شراکت، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور پولیس اصلاحات پر پاکستان بھر سے تقریباً 1600 پولیس اہلکاروں کی تربیت۔

گزشتہ سالوں میں مسلّمہ ماحولیاتی خلاف ورزیوں سے متعلق مقدمات میں شہری کی ماہرانہ خدمات کو اعلیٰ عدالتوں نے تسلیم کیا ہے اور اسے (aimicus curiae) 'عدالت کا دوست' کے خطاب سے نوازا ہے۔

اہداف/ مقاصد

ایک آگاہ اور باعمل سول سوسائٹی، اچھی حکمرانی، شفافیت اور قانون کی حکمرانی کا قیام۔

سرکاری پالیسیوں کے اثر اور ان پر تحقیق، دستاویزی بنانے اور مکالمہ کرنے کو بڑھاوا دینا۔

ایک مؤثر اور نمائندہ مقامی حکومت کے نظام کو مستحکم کرنا۔

کراچی شہر کے لیے ایک نمائندہ ماسٹر پلان/زوننگ پلان کی تیاری اور ان پر مؤثر عملدرآمد۔

معاشرے میں بنیادی انسانی حقوق کی پابندی۔

شہری کیسے کام کرتا ہے؟

ایک رضا کارانہ انتظامی کمیٹی جسے جنرل باڈی کے ذریعے ایک دو سالہ مدت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے، جو کھلے اور جمہوری اصولوں پر انتظامی امور کی انجام دہی کرتی ہے۔ رکنیت (ممبرشپ) ہر خاص و عام کے لیے کھلی ہیں جو شہری کے اہداف اور اغراض و مقاصد اور یادداشت (میمورنڈم) سے متفق ہیں۔

شہری کے لیے رضا کاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ذیل میں درج چھ ذیلی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- قانونی معاملات/امور
- میڈیا اور بیرونی روابط
- دس لاکھ درختوں کی شجرکاری مہم
- ثقافتی ورثہ کا تحفظ اور بحالی
- مالی حصول
- اسلحہ سے پاک معاشرہ

شہری کی رکنیت

2024ء کے لیے اپنی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔

''شہری۔سی بی ای'' میں شرکت کریں اور بطور اچھے شہری اس شہر کو صاف رکھنے، صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لیے مدد کریں۔

شہری میں شمولیت اختیار کیجئے

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لیے
مبلغ -/7000 روپے کے کراس چیک کے تحت
(سالانہ ممبرشپ فیس)
بنام شہری۔سی بی ای بمع پاسپورٹ سائز فوٹو

پتہ: R-88، بلاک 2، پی ای سی ایچ ایس،
کراچی ۔ 75400
ٹیلیفون/فیکس 92-21-3453-0646

نام ____________________

ٹیلی فون (گھر) ____________________

ٹیلی فون (دفتر) ____________________

ایڈریس ____________________

پیشہ ____________________